ترجمہ کو اسی حیثیت سے پیش بھی کیا ہے، یہ ترجمہ چھوٹی تقطیع کے کل ۴۲ صفحون پر ختم ہوگیا ہے، جسمین ایمان مفصل، توحید، اسماے صفات باری، حدوث مخلوق و قدم ذات، قرآن، صفات تشبیہی، تخلیق مخلوق، خرق عادت، ایمان و اسلام، شفاعت، جنت و دوزخ وغیرہ نازک، لیکن عمایدِ اعتقادیات اسلام پر نہایت اجمالی گفتگو کیگئی ہے، کاغذ سفید، لکھائی چھپائی صاف اور اچھی، قیمت ۸ر ملنے کا پتہ: مرزا صدیق علی بیگ منصبدار، بدکان محمد عبد القیوم صاحب مصور گول بنگلہ، افضل گنج، حیدر آباد دکن،

بیاض مسیحا حصۂ اول، یعنی مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب، حاذق الملک حکیم عبد المجید صاحب مرحوم اور رئیس الاطبا حکیم محمود خان صاحب مرحوم کے مخصوص و ممتاز مجربات و معمولات اور انکے مطب کے مستعمل نسخون کا مجموعہ، جسمین ہر مرض کے علاج، پرہیز اور دواؤن کے طریق استعمال کو نہایت سادہ اور صاف طریقون پر لکھدیا گیا ہے، ابتدا مین جامع نے ایک ضروری مقدمہ بھی لکھدیا ہے، یہ نسخے اگر عامۃ الناس کے لئے بھی مفید ثابت ہون تو جناب زبدۃ الحکما حکیم محمد حسن قریشی ایچ، پی، ال، جامع کتاب یقیناً ہمارے تشکر و امتنان کے مستحق ہین، تقطیع چھوٹی، صفحے ۱۲۸، کاغذ سفید، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہر، مینجر صاحب ہندوستانی ریویو، لاہور سے طلب کیجئے،

مہاتما گاندھی، ہندوستان کے مشہور و ہر دل عزیز رہنماے سیاست کی سوانح عمری، یہ کتاب جناب حکیم محمد حسن صاحب قریشی، ایچ، بی، ال کی ضخیم تصنیف "سوانح عمری مہاتما گاندھی" سے جو ابھی زیر تالیف ہے، ماخوذ و منقول ہے، اسمین مہاتما جی کے اِسوقت تک کے حالات زندگی، نہایت سادہ اور صاف اور عام فہم طریقہ پر بیان کئے گئے ہین، لوح پر مہاتما جی کی تصویر بھی دیگئی ہے، تقطیع چھوٹی، صفحے ۵۰، کاغذ سفید، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت ۸ر، ملنے کا پتہ، مینجر ہندوستان ریویو، لاہور،

مجلد ہشتم	ماہ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۲۱ء	عدد سوم

مضامین

شذرات

نائینٹنتھ سنچری، انگلستان کے ماہوار رسالون مین سب سے زیادہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے، اُسکے ستمبر نمبر مین ایک باخبر خاتون مسز ہارٹلی نے ایک عبرت انگیز مضمون تحریر کیا ہے، جسکا عنوان، "بن بیاہی مان کی اولاد" ہے، اسمین انگلستان مین ناجائز بچون کی سالانہ شرح ولادت سے متعلق کچھ نقشے بھی دیئے ہین، ان نقشون مین سے ہم اعداد ذیل کا اقتباس کرتے ہین:۔

سال	مجموعی ولادتین	جائز	ناجائز
۱۹۱۴	۸۷۹۰۹۶	۸۴۱۷۶۷	۳۷۳۲۹
۱۹۱۵	۸۱۴۶۱۴	۷۷۸۳۶۹	۳۶۲۴۵
۱۹۱۶	۷۸۵۵۲۰	۷۴۷۸۳۱	۳۷۶۸۹
۱۹۱۷	۶۶۸۳۴۶	۶۳۱۳۳۶	۳۷۰۱۰
۱۹۱۸	۶۶۲۶۶۱	۶۲۱۲۰۹	۴۱۴۵۲
۱۹۱۹	۶۹۲۴۳۸	۶۵۰۵۶۲	۴۱۸۷۶

یہ واضح رہے کہ انگلستان مین مردہ بچون کی ولادت کا سرکاری کاغذات مین اندراج ہونا ضروری نہین، اسلئے ہر سال ہزارہا ناجائز بچون کی ولادت غیر معلوم رہجاتی ہے، جن ممالک مین مردہ

بچون کی ولادت کا بھی سرکاری حساب رہتا ہے، وہان یہ عموماً پایا گیا ہے کہ جائز ولادتون کے مقابلہ مین ناجائز ولادتون مین مردہ بچے بقدر مضاعف کے ہوتے ہین! اسلئے اگر انگلستان مین مردہ بچون کی ولادتین بھی درج رجسٹر ہوتی رہتین، تو ناجائز بچون کا شمار، اعداد بالا سے کہین زیادہ ہوتا!

پھر جب یہ بھی مدنظر رہے کہ ناجائز تعلق ازدواجی کا نتیجہ ہر صورت مین نہین بلکہ مغرب کی طبی تدابیر کی بناپر بہت ہی نادر صورتون مین اولاد کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے، تو پاکدامن وعصمت شعار خواتین انگلستان کی اندرونی زندگی کا پورا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، اس واقعہ کے تذکرہ سے انگلستان یا کسی مغربی ملک کی حیات اخلاقی پر خدانخواستہ اعتراض کرنا ہرگز مقصود نہین، جن ممالک کی فضیلتِ معاشری مسلم ہو، جن اقوام کا تمدن ہمارے لئے مایۂ صد رشک وافتخار ہو، جن لوگون کی تہذیب وشائستگی کا شمار بدیہیات مین ہوتا ہو، اُن کے کسی شعبۂ زندگی پر نکتہ چینی کرنا خود اپنی کم عقلی، بے علمی، و ناشائستگی کا اظہار کرنا ہے، البتہ گذارش صرف اسقدر ہے کہ مغرب کی جن تصانیف عالیہ مین شارع اسلام، وخلفائے راشدین کی کثرت ازدواج، شاہان مغلیہ کی رنگینیون اور سلاطین ٹرکی کے حرم سراؤن کے "واقعات" بصد آب وتاب درج کئے جاتے ہین اور جنمین سے بعض تصانیف ہماری خوش قسمتی سے ہمارے بچون اور نوجوانون کے مطالعہ کے لئے ہمارے اسکولون اور کالجون مین داخل نصاب کی گئی ہین، اگر ان مین ان روشن دماغ، آزادخیال، حریت دوست وجمہور نواز شریف خواتین مغرب کے یہ درخشان کارنامے بھی درج کردیئے جایا کرین تو یقیناً ان اوراق کی زینت ودلکشی دوبالا ہوجائیگی۔

بیچارہ مشرق! وہ اتبک شریف ورذیل کے قدیم امتیازات پر سر دُھن رہا ہے، اُسے خبر نہین کہ

اس ترقی پذیر دنیا مین حقائق اشیاء نے بھی استحالہ قبول کرنا شروع کر دیا ہے، نور وظلمت، ہجر وفراق، عیب وصواب، ان سب کے معانی اب مقلوب ومعکوس ہوگئے ہین، نیک چلنی، پاکیزہ نسبی، عفت شعاری، وشرافت، یہ اوصاف کسی زمانہ مین محمود رہے ہونگے، لیکن عہد حاضر نے انکے قطعی فرسودہ ومتروک ہونے کا فتویٰ دیدیا ہے، اور یہ تخیلات صرف اس قابل رہ گئے ہین کہ انہین رسوم کہن کے عجائب خانہ کی کسی بوسیدہ الماری مین آثار قدیمہ کی حیثیت سے جگہ دیدی جائے، زندہ وترقی یافتہ قومون کے لئے ان خرافات پر توجہ کرنا باعث ننگ ہے، کہ اس سے قوائے عمل مین ضعف واختلال پیدا ہوتا ہے، چنانچہ خود مسز ہارٹلی نے بھی اپنے مضمون مذکورہ بالا کی یہ غایت مطلق نہین رکھی ہے کہ ناجائز ولادتون کے سدباب کی فکر کیجائے، بلکہ تمامتر بحث اسپر کی ہے کہ ان بچون کی پرورش وپرداخت کا قوم کی طرف سے کیا انتظام کرنا چاہیئے! ان کا ایک فقرہ جو سارے مغرب کی نفسیت کا نہایت صحیح ترجمان ہی، سننے کے قابل ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

"طفل نومولود کی زندگی (خواہ وہ ولادت جائز ہو یا ناجائز) نہایت اہم اور قیمتی ہوتی ہے، اب سے ہر بچہ کی تربیت وپرداخت کا معقول انتظام کرنا کسی فرد کا نہین بلکہ قوم کا فرض ہے!"

فبای حدیث بعدہ یومنون؟

تمدن جدید کی فہرست فضائل ومناقب مین سب سے نمایان عنوان تحفظ جان وقلت تعداد اموات کا رکھا جاتا ہے، اور اُسکے ثبوت مین شہری زندگی کا وجود پیش کیا جاتا ہے، شہر کا اطلاق اُن آبادیون پر کیا جاتا ہے، جو بڑی اور گنجان ہوتی ہین، جہان صنعت وحرفت کی گرم بازاری رہتی ہے، ملین قدم قدم پر کام کرتی نظر آتی ہین، کارخانے بکثرت قائم ہوتے ہین، مشینین گھر گھر موجود ہوتی ہین، اور بازارون اور دوکانون کی آراستگی اور سجاوٹ پر تماشگاہ کا دہوکا ہوتا ہے، اور جو شہر ان

خصوصیات کے لحاظ سے جتنا زیادہ ممتاز ہوتا ہے، اُسیقدر زیادہ شائستہ ومتمدن سمجھا جاتا ہے، ان شہرون مین میونسپلٹی کے قوانین سختی سے نافذ رہتے ہین، قواعد حفظان صحت کی پابندی شدت سے کرائی جاتی ہے، سڑکون کی صفائی کا خاص اہتمام رہتا ہے، باشندون کو جو پانی پینے کے لئے ملتا ہے، وہ ڈاکٹرون کی نگرانی مین باقاعدہ صاف کرایا جاچکا ہوتا ہے، ڈاکٹرون کے دواخانے اور مطب ہر ہر گلی مین ہوتے ہین، امراض وبائی کی مدافعت کے لئے انتہائی تدبیرین عمل مین لائی جاتی ہین، غرض موت کو روکنے اور حیات کو بڑہانے کی جسقدر کوششین انسان کے احاطۂ امکان مین ہین، شہری زندگی ان سب سے مسلح ہوتی ہے، بخلاف اسکے دیہاتی زندگی اس ساز وسامان کا خواب بھی نہین دیکھہ سکتی، اس بنا پر قدرۃً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شہر کی شرح پیدائش دیہات کے مقابلہ مین بہت زاید اور اسکی شرح اموات دیہات کے مقابلہ مین بہت کم ہوگی۔

لیکن پروفیسر رادہا کمار مکرجی (لکھنؤ یونیورسٹی) کے جو مغربی یونیورسٹیون کی متعدد اعلےٰ ڈگریان رکھتے ہین اور بلدیات واجتماعیات کے ماہر سمجھے جاتے ہین، ایک تازہ لکچر نے اس حسن ظن کی بنیادون کو بھی متزلزل کر دیا ہے، پروفیسر موصوف نے فرمایا کہ صوبۂ متحدہ کے دیہاتون مین شرح اموات ۲۶ فیصدی (یعنی فی صد ولادت) ہے، درآنحالیکہ شہرون مین شرح اموات ۴۳ فی صدی ہے! اسی طرح بچون کی شرح اموات دیہات مین ۲۱۳ فی ہزار ہے، درآنحالیکہ شہرون مین ۳۰۰ فی ہزار ہے! ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے جو شہر اپنے مغربی طرز تمدن، ملون، کارخانون، اور صنعتی کاروبار مین جتنے زیادہ ممتاز ہین، اسی قدر بچون کی شرح اموات بھی اُنکے ہان اونچی ہے۔

دیہات کا اوسط شرح اموات اطفال	۲۱۳	فی ہزار
کلکتہ	۲۵۰	۔۔

مدراس	"	"	۲۷۸ فی ہزار
لکھنؤ	"	"	۳۱۶ "
بمبئی	"	"	۴۱۰ "
کانپور	"	"	۵۴۱ "

گویا ہر سال جتنے بچے پیدا ہوتے رہتے ہین، لکھنؤ مین اُنکی تقریباً ایک ثلث تعداد، بمبئی مین اُنکی تقریباً نصف تعداد، اور کانپور مین اُنکی نصف سے زاید تعداد نذر اجل ہوجاتی ہے! یہ ہے اس شہری طرز معاشرت کی مادی برکات کا نمونہ، اور بہترین طبی امداد کا حاصل، جسکی طمع مین ہم اپنا اخلاق، مذہب، انسانیت سب کچھ نثار کرچکے ہین!

اس کچر کے دوران مین ایک دوسری حقیقت کا بھی انکشاف ہوا، اور وہ بھی کچھ کم سبق آموز نہین، وہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے جدید تجارتی وصنعتی شہرون مین عورتون کی آبادی مردون کے مقابلہ مین بہت کم ہے، یہانتک کہ بعض شہرون مین نصف کے قریب ہے، مثال کے لئے تین بڑے شہرون کے اعداد ملاحظہ ہون:-

کانپور مین مردون کی فی ہزار آبادی کے مقابلہ مین ۷۲۸ عورتین ہین۔

بمبئی " " " ۵۳۰ "

کلکتہ " " " ۴۷۰ "

اس غیر قدرتی صورت حال کے جو قدرتی نتائج نکل رہے ہین، وہ کسی سے مخفی نہین، دیکھنا کہ ایسا طرز تمدن جس نے سکون واطمینان کے الفاظ کو بے معنی بنا دیا ہے، جس نے خطرات جان و مال کو دہ چند کردیا ہے، اور جس نے حفظ ناموس کا خیال تک دلون سے محو کردیا ہے، کیونکر دنیا کو

اپنا مفتون وگرویدہ بنائے رکھتا ہے،

زبت نہ گوشۂ چشمے نہ چین ابروئے
بحیرتم کہ دل برہمن ز کف چون شد

حضرت اکبر مرحوم کے کلام کے شائقین یہ سُنکر خوش ہونگے کہ اُن کے کلیات کا حصہ سوم جسکے آخری پروف اُنکی وفات سے کچھ ہی روز پیشتر پریس سے نکل کر آچکے تھے، اب چھپ کر شائع ہوگیا ہے، اور غالباً عشرت منزل الہ آباد کے پتہ سے دستیاب ہوسکتا ہے، کلیات حصہ چہارم کے لئے بھی مرحوم اپنا آخری کلام مرتب کررہے تھے، امید ہے کہ کچھ عرصہ مین وہ بھی شائع ہوسکیگا، کلیات کا حصہ اول ودوم بھی مدت ہوئی ختم ہوچکا ہے، ضرورت ہے کہ یہ چارون حصے عمدہ ترتیب، مفصل فہرست مضامین، اور ممکن ہو تو انڈکس کے اضافہ کے ساتھ یکجا شائع کئے جائین، حضرت اکبر اگر کسی زندہ قوم مین پیدا ہوئے ہوتے تو ابتک خدا معلوم کتنے ایڈیشن اُن کے کلام کے نکل چکے ہوتے، بعض احباب اُنکی یادگار کی تجویزین پیش کرتے ہین، لیکن ہمارے نزدیک جس قوم نے نذیر احمد، آزاد، حالی، وشبلی کی یادگار قائم کرنا غیرضروری سمجھا، اُس کے سامنے اس قسم کی تحریک کرنا وقت وقوت کو ضائع کرنا ہے، اکبر کی بہترین یادگار خود ان کا کلام ہے اور اُسکے ہوتے ہوئے وہ نیازمندون کی اعانت اور قدردانون کی دستگیری سے قطعاً بے نیاز ہین۔

مقالات

خلافت اور ہندوستان

(۲)

خلافتِ آلِ عثمان

دوستو! آج پورے گیارہ مہینہ کے بعد اِس سلسلۂ خیال کو جوڑتا ہون، جو دسمبر سنہ ۲۰ء ٹوٹا تھا، اوس مہینہ کے معارف مین مسئلۂ "خلافت اور ہندوستان" کا تاریخی پہلو نمایان کیا گیا تھا، اور اوس مین آغاز خلافت سے مصر کی آخری عباسی خلافت تک کے واقعات لکھے گئے تھے، اب اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب ایک طرف سلطان سلیم پہلا خلیفۂ عثمانی مصر و شام، اور عرب کو اپنے احاطۂ اقتدار مین لاتا ہے اور دوسری طرف فرزندان تیمور ہندوستان کی مغربی سرحد مین قسمت آزمائی کرتے ہین، اسی اثنا مین اودھر سلطان سلیمان اعظم قسطنطنیہ کے تخت پر قدم رکھتا ہے اور ادھر بابر ہندوستان کا میدان جیت لیتا ہے، سنہ ۹۲۳ھ مین مصر و شام وغیرہ عثمانی اقتدار مین داخل ہوئے سنہ ۹۲۶ھ مین سلطان سلیم نے وفات پائی اور سلطان سلیمان اِس کا جانشین ہوا، سنہ ۹۳۲ھ مین بابر ہندوستان کے فرمان روائے مطلق کی صورت مین ظاہر ہوا،

یہین سے سلسلۂ داستان چھوٹا تھا،

عثمانی اور تیموری دونون خاندان نسلاً ترک تھے، دونون اپنا سلسلۂ نسب چنگیز اور ہلاکو سے ملاتے تھے، نوین صدی ہجری کے وسط مین تیمور اوٹھا اور ایشیا مین ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالی، بایزید یلدرم اسوقت یورپ کے خرمنون پر برق و صاعقہ بنکر گر رہا تھا، عین اوس وقت طرابزون کی یونانی ریاست کی دعوت پر سنہ ۱۴۰۲ء مین تیمور بایزید کے مقابلہ کو نکلا، اب بایزید کو دفعۃً اپنے سیلاب کو مغرب سے مشرق، اور یورپ سے ایشیا کی طرف موڑنا پڑا، اور اوس مین اوس کو ناکامی ہوئی، اور تیمور کے ہاتھ گرفتار ہو کر مر گیا، سلطنت عثمانیہ اس جھٹکے سے جو اوسی کے ایک ہم خاندان اور ہم مذہب کے ہاتھ سے اوس کو لگا تھا گو بہت جلد سنبھل گئی تاہم دونون خاندانون مین ایک رقابت کی صورت پیدا ہو گئی، ترکان عثمان تو اس اتفاقی حادثہ کو فوراً بھول گئے، مگر تیموریون سے اپنے بانی خاندان کے اس فخر و ناز کے کارنامہ کا نشہ ایک مدت تک اوتر نہ سکا، اور اخیر اخیر تک آل عثمان کے جاہ و حشم زور و قوت نیکی و شہرت کا حریفانہ کانٹا اون کے دلون مین چبھتا رہا،

اس حکایت کو یہین ناتمام چھوڑ کر ناظرین کی عنان توجہ اب دوسری جانب موڑتا ہون،

یہ وہ زمانہ تھا جب اسپینی اور پرتگالی اندلس کے مسلمانون کا خاتمہ کر کے اپنی بازوون مین نیاز ور پاتے تھے، قسطنطنیہ اور مصر کے راستہ پر مسلمانون کے مضبوط قبضہ کے باعث مشرق اور خصوصاً ہندوستان کے لئے ایک نئے راستہ کی تلاش مین تھے، اس وقت یورپ اور ہندوستان کی تجارت مسلمانون کے ہاتھون مین تھی، اسپینی تلاش ہندوستان کے سراغ مین بھٹک کر نئی دنیا (امریکہ) پہنچے، لیکن پرتگالی واسکوڈی گاما کے زیر ہدایت افریقہ ہو کر ہندوستان کے سواحل پر نمودار ہو گئے، اور پھر بار بار کی آمد و رفت سے اِس تمام بحری راستہ پر قبضۂ مالکانہ جما لیا، جہان جہان بیچ مین مسلمانون کی بحری تجارتی منڈیان تھین اونکو تہ و بالا کر دیا،

اکتشاف ارضی اور توسیع تجارت کے نام سے یہ بحری لوٹیرے بحر ہند مین ادھر اودھر اپنے جہازی گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے، عرب اور ہندوستان کے ساحلی مقامات اون کی لوٹ مار سے برباد ہو رہے تھے، ساحلون اور جزیرون مین مسلمانون کا قتل عام ہو رہا تھا، اور مسجدین ٹوٹ ٹوٹ کر کلیسا بن رہی تھین، موپلے جو عرب، مصر اور ہندوستان کے درمیانی بیوپاری تھے، اور کالیکٹ (مدراس) اون کا مرکز تھا، اون کے کاروبار توڑے پھوڑے جا رہے تھے، کالیکٹ کے راجہ کو اِس پر مجبور کیا گیا کہ وہ مسلمانون کو عرب آنے جانے سے روک دے اوس نے

اس کو نامنظور کیا، اور اس کی خاطر اوس کو لڑائی لڑنا پڑی، پرتگالیون نے کوچی (ساحل ہند) پر قبضہ کیا اور مسلمانون کو قتل کیا اور مسجد کو کلیسا بنالیا، پھر رفتہ رفتہ عرب کے سواحل پر عدن، ہرمز، پریم وغیرہ کو اور ہندوستان کے سواحل مین سے گوا، چیول، دابل، دیو اور دمن وغیرہ کو تاخت و تاراج کرنے لگے، ۹۱۵ھ مین کالیکٹ پر حملہ کرکے شہر کو لوٹ لیا اور وہان کی جامع مسجد کو جلاکر خاک سیاہ کردیا، یہی حال اونھون نے عرب کے ساحلی شہرون کا کر رکھا تھا، حاجیون کے جہازات اون کے حکم اور اجازت اور محصول کے بغیر بندرگاہ کے ساحلون سے جنبش نہین کرسکتے تھے،

بہرحال یہ پردرد داستان بہت طویل ہی، اور کبھی فرصت سے سننے کے قابل ہے[1]، اس وقت ہندوستان کی مرکزی حکومت لودیون کے کمزور ہاتھون مین تھی، دکن اور گجرات مین طوائف الملوک حکمران تھے، انھین بیچارون نے مل ملاکر اپنی بحری قوت کو یکجا کیا، عرب کی طرف سے، مصر کی آخری عباسی خلافت کے قائم مقام سلطان قانصو غوری نے اپنے جہازات بھیجے، سلطان محمود گجراتی، سلطان محمود بہمنی، سلطان یوسف عادل شاہ اور راجہ کمبایت نے بھی اپنے بیڑون کو شامل کیا، لیکن بدقسمتی کہ اس متحدہ قوت نے بھی اون سے شکست کھائی، یہ عجب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ سلطان سلیم نے مصر و عرب کی حفاظت کا بار اپنے مضبوط کندھون پر اوٹھالیا،

سلطان سلیم اپنے اعلان خلافت کے بعد صرف تین برس زندہ رہا، ۹۲۶ھ مین سلطان سلیمان اعظم اوس کا جانشین ہوا، جس نے اپنے باپ کی مذہبی بلند حوصلگیون کے خواب کو پورا کردیا، دنیائے اسلام کے دوسرے ملکون کی طرح ہندوستان نے بھی اوسکی خلافت اور مذہبی عظمت کو تسلیم کرلیا، اس کا اثر سب سے پہلے گجرات کے سلاطین پر پڑا، جن کے عرب اور دیگر ممالک اسلامیہ سے براہ راست تعلقات تھے،

گجرات کے ایک محدث و عالم محمد بن عمر آصفی الغانی جن کی آمد و رفت مکہ معظمہ مین بہت رہا کرتی تھی، اور

[1] یہ واقعات ہندوستان کی انگریزی تاریخون مین اور پرتگیزون کی آمد ہند کی تمہید مین مذکور ہین، لیکن دوسری طرف کا بیان تم بنگال و گجرات اور یمن کی پچھلی تاریخون مین پڑھ سکتے ہو، اس وقت ریاض السلاطین (تاریخ بنگالہ) ظفر الوالہ (تاریخ گجرات عربی) تاریخ گجرات میر ابوتراب فارسی، اور کتاب روح الروح فی الفتوح (قلمی تاریخ یمن موجودہ کتبخانۂ دار المصنفین) میرے پیش نظر ہے،

جو سلاطین گجرات کے دربارون مین بھی معزز تھے، اونھون نے عربی مین ظفر الوالہ نام گجرات کی ایک تاریخ لکھی ہے، اور جس کو گورنمنٹ آف انڈیا شاید اب اپنی بدقسمتی سمجھے کہ اوس نے چھاپ کر شائع کیا ہی، اس تاریخ مین گجرات کے بلکہ ہندوستان کے مایۂ ناز محدث شیخ علی متقی مہاجر، صاحب کنز العمال کے حالات مین ہی کہ جب وہ ہندوستان چھوڑ کر عرب گئے، اور سلطان سلیمان کے کانون تک اون کی شہرت پہونچی تو سلطان نے اون سے دعا کی آرزو کی، اس تقریب سے شیخ محمد آصفی سلطان سلیمان کا نام اپنی زبان پر لاتے ہین، اور اس کے بعد کہتے ہین،

وکان فی وقتہ سلطان الاسلام علی الاطلاق	اس وقت ترکی کا بادشاہ، اسلام کا سلطان علی الاطلاق تھا
والخلیفۃ للہ فی الآفاق، وھو سلیمان خان	اور تمام دنیا مین خدا کا خلیفہ تھا، اور وہ سلیمان خان بن سلیم خان
بن سلیم خان بن بایزید ... (صفحہ ۳۱۶)	بن بایزید تھا،

یہ ہندوستان کے ایک مذہبی عالم اور محدث کی شہادت ہے،

سلاطین گجرات نے پرتگالیون کی نئی توپون اور جہازون کے سامنے اپنے کو بیدست و پا پاکر آخر آستانۂ خلافت کی طرف رجوع کیا، ہندوستان کے سمندرون مین یہ حوادث اور سانحے پیش آرہے تھے کہ اوس کے میدانون مین بابر اپنی بارہ ہزار کی جمعیت سے آموجود ہوا، اور دم کے دم مین لودیون کی بساط اولٹ کر ہندوستان کا بادشاہ بن گیا، نہین معلوم ہی کہ آل تیمور اور آل عثمان باہم حریف کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن انصاف بالائے طاعت است و مذہب بالائے سیاست، اس ناگواری کے باوجود شاہان تیمور اوس قبلۂ اسلام کو تو نہین چھوڑ سکتے تھے جہان آل عثمان کے نام کا خطبہ ہر ہفتہ پڑھا جاتا تھا اور نہ اون حرمین کے حقوق و فرائض کو بھلا سکتے تھے جس کی حفاظت و خدمتگذاری اب سلاطین عثمان کے تاج قیصری کا طرہ تھی، اوس حجاز کی آمد و رفت بند نہین کرسکتے تھے جہان ہر سال اون کے امرا اور رعایا جوق در جوق خلیفۂ عثمانی کے زیر سیادت ادائے حج کے لئے جاتے تھے، اور بالآخر اگر اون کو خود توفیق ہی تو وہ منبر کے نیچے بیٹھکر اپنے نام کا نہین بلکہ قسطنطنیہ ہی کے سلطان کے نام کا خطبہ سنتے، اسلئے وہ کسی نہ کسی طرح سلاطین عثمان کی مذہبی برتری اور امامت کبری کے ماننے پر مجبور تھے،

۹۳۲ھ مین بابر نے ہندوستان کے تخت پر قدم رکھا، لیکن تم کو معلوم ہی کہ اِس عظیم الشان کامیابی کے بعد شہنشاہ ہند نے اپنا پہلا فرض کیا محسوس کیا؟ ترکستان کے علمار کو انعامات بھیجے، اور حرمین اور مزارات متبرکہ مین جو خلیفہ عثمانی کے زیر سیادت تھے نذر فتوحات ارسال کئے، مورخ بدایونی کی عبارت ہی" بمکہ و مدینہ مقدسہ و مزارات متبرکہ نذرہا ارسال داشت" بابر نے ایک نیا خط ایجاد کیا تھا، جس کا نام خطِ بابری پڑ گیا تھا اوس خط مین خاص اپنے قلم سے قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھکر مکہ معظمہ تحفہ بھیجا،

۹۳۷ھ مین بابر نے وفات پائی، اور ہمایون نے تخت حکومت پر قدم رکھا، ایک قیدی شاہزادہ نے بھاگ کر سلطان گجرات کے ہان پناہ لی، اس تقریب سے ہمایون کو گجرات پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ آیا، اب گجرات دو دشمنون کے بیچ مین تھا خشکی کے راستہ سے ہمایون حملہ آور تھا، اور دریائی راستہ سے پرتگالی سواحل کو برباد کر رہے تھے، سلطان گجرات نے پرتگالیون کے مقابلہ مین آستانۂ خلافت سے جو امداد طلب کی تھی وہ روانہ ہو چکی تھی، سلیمان پاشا کی قیادت مین ترکی جہازات کا بیڑا عرب کے سواحل پر نمودار ہوا، اور یمن کے سواحل کے انتظامات سے فارغ ہو کر ۹۴۲ھ مین ہندوستان کے بندرگاہ کی طرف روانہ ہوا، یہان پہونچکر اوس نے پرتگالیون کا قلع قمع شروع کر دیا، لیکن پاشا نے غلطی یہ کی کہ اپنے طرز سے ہندوستانیون پر یہ ظاہر کیا کہ وہ گویا ہندوستان کی فتح کے ارادہ سے آیا ہی، گجرات کے سلطان نے یہ دیکھکر اپنی امداد و اعانت اور رسد کا انتظام موقوف کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان پاشا اپنے افسرون، توپون اور دوسرے سامان جنگ کو چھوڑ کر یمن واپس چلا گیا، پرتگالیون نے پھر سر اوٹھایا، اودھر ہمایون کی فوجین بڑھتی چلی آتی تھین، سلطان نے پرتگالیون سے صلح کر کے گجرات کے بہت سے بنادر اون کے حوالہ کر دیے،

مورخین کی تاریخ عالم مین ہی کہ اس زمانہ مین سلاطین عثمانیہ ہندوستان کے معاملات مین دلچسپی لینے لگے تھے، ۱۵۳۳ء (مطابق ۹۳۹ھ) مین دہلی کے سلطان سکندر کا بیٹا ہمایون کی شکایت لیکر قسطنطنیہ سلطان کے پاس پہنچا، بہادر شاہ گجراتی کے دربار سے ایک سفیر پرتگیزون کے مقابلہ مین اعانت طلبی کیلئے حاضر ہوا

جنھون نے کچھ دن پہلے دیو (دیپ) کا بندر بہادر شاہ سے چھین لیا تھا، سلطان نے مصر کے پاشا کو حکم دیا کہ وہ جہازون کا بیڑہ لیکر ہندوستان جائے اور وہ بندرگاہ اون سے واپس لیلے، لیکن اس سے پہلے کہ جہازات روانہ ہون یہ خبر پہنچی کہ بہادر شاہ پرتگیزون کے ہاتھ سے مارا گیا، بادشاہ نے اپنا خزانہ گجرات سے مکہ معظمہ کو منتقل کر دیا تھا، اوس کے مرنے پر وہ قسطنطنیہ بھیجدیا گیا، ۱۵۴۶ء (مطابق ۹۵۳ھ) مین ہندوستان کے ایک بادشاہ علاء الدین کی طرف سے ایک سفیر قسطنطنیہ اس غرض سے آیا کہ پرتگیزون کے مقابلہ مین سلطان کی امداد حاصل کرے ۱۵۵۱ء (مطابق ۹۵۸ھ) مین پیری رئیس (ترکی کپتان) نے مسقط اور ہرمز پر قبضہ کر لیا، اور اوس کے نائب مراد نے اسی جزیرہ کے سامنے پرتگیزون سے ایک جنگ کی اور ناکام رہا، ۱۵۵۲ء (مطابق ۹۵۹ھ) مین سیدی علی نے خلیج فارس مین بصرہ کے قریب اون کا پھر مقابلہ کیا اور شکست کھائی اور بالآخر گجرات کے بندر مین پناہ لی[1]"

اِس تاریخ کے مصنفین نے ان چند سطرون مین جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گجرات کی تاریخون مین یہ بیانات مفصل موجود ہین، لیکن اون کی تفصیل کا یہ موقع نہین، صرف اتنا کہنا ہی کہ بہادر شاہ گجراتی کے پاس جو بھاری توپخانہ تھا، وہ انھین ترکون کا عطیہ یا متروکہ تھا، رومی خان اور توپخانہ کے دوسرے تجربہ کار افسر سب ترک تھے، اور انھین لوگون کے ذریعہ سے ہندوستان مین توپ سازی کا فن رواج پذیر ہوا، بہادر شاہ نے ہمایون اور پرتگیزون کی دوہری آگ مین پھنسکر جان دی، اوس کا ارادہ تھا کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائے اسی لئے اوس نے خزانہ اپنے معتبر افسرون کی معرفت مکہ معظمہ بھیجدیا تھا، ہمایون کے سامنے سے بھاگ کر ساحل پر پہنچکر جہاز پر سوار ہو رہا تھا، کہ فرنگیون نے حملہ کیا اور مارا گیا، رحمہ اللہ،

بہادر شاہ کے بعد ۹۴۵ھ مین محمود شاہ گجرات کا بادشاہ ہوا، اس کے زمانہ مین سلطان سلیمان نے سلیمان پاشا کو بیڑہ دیکر پھر ہندوستان سے پرتگیزون کو نکالنے کے لئے بھیجا سلیمان پاشا کے بیڑے کو شکست ہوئی؟ اسکی وجہ ظفر الوالہ کے مصنف نے تو یہ بتائی ہی کہ پاشا، امرائے گجرات سے مشورہ نہین لیا کرتا تھا، اسلئے اونھون نے

[1] ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲۴ صفحہ ۴۴۲،

رسد بند کردی تھی، لیکن روح الروح[1] کے مصنف کا بیان ہو کہ ہم نے بعض ثقات سے سنا ہو کہ پاشا کو ہندوستان کے بادشاہون نے بہت سے روپے دیئے کہ واپس چلا جائے[2]، بہرحال پاشا جب قسطنطنیہ واپس گیا تو اوس سے جواب طلب ہوا، سلطان نے غضبناک ہو کر کہا،

ما ارسلتک الا لاخراج الفرنج من الدیو ولفرقۃ لصاحبہا لا اسلاطۃ علی المسلمین بالھند (ظفر الوالہ ص ۴۹) مین نے تم کو دیب سے فرنگیون کو نکالنے کے لئے بھیجا تھا، ہندوستان مین مسلمانون پر بادشاہ بنا کر نہین بھیجا تھا۔

بہادر شاہ گجراتی کا وزیر آصفخان جو نہایت لائق و فاضل ور محدث تھا، سلطان کی طلب پر اڈریانوپل حاضر ہوا، دربار مین پہونچکر سلطان کے ہاتھون کو اپنی آنکھون سے لگایا، سلطان نے بھی اوس کی بڑی عزت و توقیر کی اور دریافت کیا کہ تمھاری کیا آرزو ہی جس کو مین پوری کر سکتا ہون، خان نے ہندوستان کے وقار کو صدمہ نہین پہنچایا، صرف ہندوستان واپس جانے کی اجازت چاہی اور حرم محترم مین کوئی اعزازی عہدہ حاصل کیا، سلطان نے سب سے دلچسپ سوال یہ کیا کہ تمھاری مملکت کی بربادی کا سبب کیا ہوا؟ خان نے فلسفۂ تاریخ سے اِس کا عمدہ جواب[3] دیا،

سیدی علی رئیس (کپتان) جس کا اِس سے پہلے ترکی بیڑے کے افسرون مین ذکر آچکا ہے، وہ بھی ان لوگون مین تھا جو بیڑے کی واپسی پر قسطنطنیہ واپس نہ جا سکے تھے، سیدی علی نے خشکی کا راستہ اختیار کیا، وہ پورے ہندوستان کو نا پکر بلوچستان و ایران و ترکستان ہو کر قسطنطنیہ واپس گیا، اور مرآۃ الممالک کے نام سے اپنا سفرنامہ مرتب کیا، اس کا ترجمہ جرمن اور انگریزی زبانون مین شائع ہوا ہی، سفر یورپ مین روم مین ایک ترکی ادیب رؤف احمد بے اڈیٹر اخبار الاستقلال قسطنطنیہ سے ملاقات ہوئی، موصوف نے اثنائے گفتگو مین فرمایا کہ قسطنطنیہ مین اصل سفرنامہ چھپ گیا ہی، مین نے باصرار اس کتاب کی اون سے خواہش کی، لیکن اب تک یہ

---

[1] یہ یمن کی دسوین صدی ہجری کی تاریخ ہے، اس کا پورا نام کتاب روح الروح فی ابعد المائۃ التاسعۃ من الفتن والفتوح مصنف کا نام عیسیٰ بن لطف اللہ بن مطہر یمنی ہی، اس کتاب کا قلمی نسخہ دار المصنفین مین ہی، [2] کتاب مذکور واقعات ۹۴۵ھ [3] ظفر الوالہ صفحہ ۴۰۶،

یہ آرزو پوری نہین ہوئی، بہرحال سیدی علی نے اس سفرنامہ مین ہمایون اور ہندوستان کے دوسرے بادشاہون سے ملاقات کا حال لکھا ہے، ہمارے دوست ڈاکٹر محمود نے اپنے انگریزی رسالہ خلافت اینڈ انگلینڈ مین اس ملاقات کا حال جرمنی ترجمہ سے نقل کیا ہی، مین اپنے مطلب کے چند الفاظ اس نقل سے اقتباس کرتا ہون جن سے اوس زمانہ کے ہندوستان کا مسئلہ خلافت سے تعلق ظاہر ہوگا،

سیدی علی کا بیان ہی:-

"ہمارا جہاز جب گجرات مین لنگر انداز ہوا، تو سورت کے مسلمانون نے اوس کو دیکھکر بیحد خوشی کا اظہار کیا، اور ہندوستان کے جس جس شہر سے **بادشاہ اسلام** (سلطان عثمانی) کے سفیر کی حیثیت سے اوس کا گذر ہوا وہان کے مسلمانون نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ اوس کا خیر مقدم کیا، اور مسلمان بادشاہون نے عزت و تکریم کے ساتھ اوسکو قبول کیا، اور **بادشاہ اسلام کے ساتھ اپنی وفاداری اور اخلاص کا اظہار** کیا، جب مین گجرات مین تھا، تو وہان کے سلطان (محمود شاہ) اور وزیر عماد الملک اور دیگر امراء سے میری ملاقاتین ہوئین، سلطان گجرات نے جس کے سامنے مین نے اپنے اسناد پیش کئے، میری ملاقات سے بہت خوش ہوا اور میری بڑی عزت کی، اور ہمارے ذیشان بادشاہ کے ساتھ اپنی عقیدتمندی کا مجھے یقین دلایا ایک اور امیر نے ایک موقع پر مجھسے کہا کہ سلطان ٹرکی کے ساتھ ہم لوگ کوئی مخالفت نہین کر سکتے، ہم لوگون کو اون کی ضرورت ہی، علاوہ ازین وہ دنیائے اِسلام کے بادشاہ ہین"۔

سب سے زیادہ دلچسپ بیان وہ ہی، جب ترکی امیر البحر بادشاہ ہمایون کے دربار مین حاضر ہوا، اور سلسلۂ گفتگو خطبہ اور خلافت کے ذکر تک پہنچ گیا، اور بالآخر "تیموری شہنشاہ" کو "سلطانِ آل عثمان" کی خلافت اور دینی پیشوائی کا اپنی زبان سے اقرار کرنا پڑا، سیدی علی نے پہلے متذکرہ بالا واقعات کا حوالہ دیا، اوس کے بعد کہا کہ چین تک مین ہمارے سلطان کا نام خطبہ مین پڑھا جاتا ہی، ہمایون نے دوسرے موقع پر دریافت کیا کہ خان کرمیا بھی سلطان کی ماتحت ہی؟ اور جب اِس کا جواب دسکو اثبات مین ملا، تو اوس نے کہا کہ "اگر یہ سچ ہی تو پھر خان کو اپنے نام کا خطبہ

پڑھنے کا کیونکر حق ہوگا" امیر البحر نے کہا کہ "یہ تو ہر شخص جانتا ہو کہ ہمارے بادشاہ کے سوا کسی اور کو نہین یہ حق حاصل ہو
کہ وہ جس کو چاہے خطبہ کا اختیار بخشے" امیر البحر کا بیان ہو کہ درباریون کے چہرون سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ میرے
دعوی سے متفق ہین، اوس وقت ہمایون نے اپنے امرا اور اہل دربار کی طرف مخاطب ہوکر کہا،

"یقیناً دنیا مین بادشاہ کے لقب کا مستحق صرف ٹرکی کا فرمانروا ہی، دنیا مین فقط اوسی کو اس کا
حق ہی کسی اور کو نہین"

کیا بادشاہ سے یہان مقصود مذہبی بادشاہ اور خلیفہ نہین ہے؟

نیکدل ہمایون کی بادشاہی ہندوستان مین چند سال سے زیادہ قائم نہ رہی ۹۴۶ھ سے ۹۶۲ھ
تک آوارہ گرد وادی غربت مین مارا مارا پھرا، ہندوستان کے تخت پر اب شیر شاہ سور کا قبضہ تھا، اس نے چند
سال مین اپنے دانشمندانہ نظم و نسق سے ہندوستان کو امن و امان کی بہشت بنا دیا، شیر شاہ کے دربار مین سید
رفیع الدین محدث ترکستان کے ایک عالم تھے، اون کے آبا و اجداد حرمین مین درس دیا کرتے تھے، ۹۵۱ھ مین
مانڈو سے واپسی مین محدث موصوف نے بادشاہ سے سفر حرمین کی اجازت چاہی تاکہ بطریق سلف وہان اپنی زندگی
درس و تدریس مین صرف کرسکین، شیر شاہ نے جو جواب دیا اوس کا لفظی ترجمہ یہ ہی:-

"مجھے اس مین کوئی مضایقہ نہ تھا، لیکن مین نے آپ کو ایک خاص مصلحت کی بنا پر روک رکھا ہی، اور
وہ یہ ہی کہ امید ہی کہ بفضل خدا چند روز مین ہندوستان کا میدان کفر کے کانٹون سے پاک ہوجائیگا، چند قلعے جو
باقی ہین وہ بھی تھوڑی سی توجہ مین فتح ہوجائینگے، اس کے بعد آرزو یہ ہی کہ دریاے شور کو عبور کرکے
قزلباشون (ایران کی صفوی حکومت کے طرفدار جو مذہباً متعصب شیعہ تھے، اور جن سے ترکون سے متواتر
لڑائیان ہوئی ہین) اُنکے پیچھے ہون جو حجاج و زائرین بیت اللہ کو جانے نہین دیتے، اور مذہب اسلام مین
جنھون نے نئی بدعت پیدا کی ہی اور اون سے جنگ کرون، اور وہان سے تم کو اپنا وکیل و قاصد بناکر
سلطان روم کی خدمت مین بھیجون، تاکہ میرے اون کے درمیان دینی برادری کا رشتہ قائم ہوجائے

اور تم اون سے درخواست کرکے کہ مکہ معظمہ یا مدینۂ منورہ مین سے ایک کی خدمت کا فرض میرے لئے حاصل کرو
اُسوقت سلطان روم اودھر سے اور مین ادھر سے بڑھون، اور قزلباشون کو بیچ سے اوکھاڑ پھینکون،
سلطان جب ادھر حملہ کرتے ہین تو یہ بھاگ کر اودھر چلے آتے ہین، اور اون کی مراجعت کے بعد پھر بدستور
اپنی جگہ پر پہنچ جاتے ہین، لیکن جب اگر ہم دونون ملکر دونون طرف سے اونکو گھیرین تو ہندوستان کی
کثرت فوج اور ترکون کے آتشبار توپخانہ کے مقابلہ کی قوت قزلباشون مین معلوم! جہان تک مین نے
غور کیا اس سفارت کے لئے تم سے بہتر شخص مجکو دوسرا نظر نہین آتا، اور اسی سبب سے تم کو سفر کی
ابھی اجازت نہین دیتا"[1]

شیر شاہ کے اس معترفانہ بیان کو جو اوس کے دلی خیالات کا آئینہ ہی بغور پڑھو، تم کو لفظ لفظ سے معلوم ہوگا کہ وہ
سلطان عثمانی کا کس عقیدتمندی کے ساتھ نام لیتا ہی، اون کی مذہبی پیشوائی کو تسلیم کرتا ہی، اون کی دینی برادری
کا دعوی کرتا ہی اور حرمین سے ایک کی خدمت اون سے التماس کرتا ہی، افسوس کہ شیر شاہ کو مہلت نہ ملی اور اس کے
ایک سال کے بعد ۹۵۲ھ مین باروت سے جلکر اس جہان فانی کو وداع کہا،

۹۶۲ھ مین اس کے ناخلف جانشینون نے ہندوستان کا تخت کھو دیا، اور ہمایون پھر ہندوستان کا
بادشاہ بنکر سامنے آگیا، لیکن تین ہی برس کے اندر اوس کو اکبر کے لئے اپنی جگہ خالی کردینا پڑی،

کون نہین جانتا کہ اکبر ایک نئے مذہب کی بنا ڈالنے کا خواب دیکھا کرتا تھا، اسکے لئے سب سے پہلا زینہ
امامت و خلافت کا دعوی تھا، چنانچہ رجب ۹۸۷ھ مین ایک محضر تیار کیا گیا جس مین، اکبر کو خلیفۂ عصر اور
امام زمان تسلیم کیا گیا تھا، اور قرآن پاک کی آیت اور احادیث سے امام عادل کی اطاعت فرض بتائی گئی تھی،
اور آخر مین اوس کو مختلف فیہ مسائل مین اجتہاد کا رتبہ بخشا گیا تھا، اوس محضر مین اکبر کے لئے حسب ذیل
خطابات لکھے گئے تھے،

[1] تاریخ بدایونی جلد اول صفحہ ۳۷۰،

حضرت سلطان الاسلام، کہف الانام، امیر المومنین، ظل اللہ فی العالمین،

کلمۂ طیبہ کے بجائے لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ ، درباریون کا کلمہ قرار پایا، محضر مذکور پر علماء سے زبردستی دستخط کرائے گئے، اکبر کی بدنامی کی خبرین دور دور تک پھیلین، والی توران نے اکبر کو طعن آمیز خط لکھا، قطب الدین خان نے برسر دربار کہا، کہ ولایت کے بادشاہون کو مثلاً سلطان روم وغیرہ کو جب اس کا حال معلوم ہوگا تو ہماری کس قدر بدنامی ہوگی، اکبر نے جھنجھلا کر کہا کہ "تو سلطان روم کی طرف سے غائبانہ اون کا حمایتی بنکر آیا ہے، تاکہ یہان سے نکلنے پر وہان تیری عزت و منزلت ہوجائے وہین تشریف لیجائیے"

اکبر کے اصل الفاظ بدایونی مین یہ ہین:۔

"تو برائے خاطر خوندکار روم غائبانہ از جانب اوا این درشتی میکنی دجاے از برائے خود وقتیکہ ازینجا بروی پیدا کردہ تا اعتبار یابی، ہمانجا برو،" (جلد ۲ صفحہ ۲۷۴)

تم نے فریقین کی اس سخت و درشت گفتگو کو سنا! اور اس کا مطلب سمجھا! براے خدا مجھے یہ بتاؤ کہ جو مطلب مین سمجھتا ہون یا سمجھانا چاہتا ہون اگر وہ غلط ہے تو اس دعوی امارت و خلافت و تجدید دین کی مخالفت کو سلطان روم کی خاطرداری وبہی خواہی وجانبداری کے الزام سے کیا تعلق ہے؟

اس اکبری جاہ و جلال ونصرت و اقبال کے عالم مین حج کے راستہ کی یہ حالت ہوگئی تھی، کہ ہندوستان کے صدر مذہبی نے یہ فتوی دیدیا کہ چونکہ خشکی کا راستہ قزلباشون نے اور دریا کا راستہ فرنگیون نے بند کردیا ہے، اسلئے فریضۂ حج ساقط ہوگیا ہے، ہندوستان کے بندرون سے حجاز کو جہازات کا جانا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ فرنگیون سے اجازت (قول) کا عار اوٹھایا جائے، تخت آگرہ کا امام عادل یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور کچھ نہ کرسکتا تھا، امرائے اکبری کے بڑے بڑے ارکان، خانخانان، مرزا عزیز کوکہ، شیخ عبد النبی، مخدوم الملک، اعتماد خان، سلطان جہان سب اسی ذلت کے ساتھ گئے، اور پھر واپس آئے، لیکن مجھے کچھ اور کہنا ہے، تیموری دربار کے یہ اُمرائے نامدار اور علمائے ذوی الاقتدار سفر حج کے لئے گئے، لیکن سمندر کے اوس پار پہونچکر

موسم قلیل کے سب سے بڑے اسلامی مجمع مین منبر خطابت سے جو موج ہوا بلند ہوئی کیا اونھون نے آئین سلطان آل عثمان کا نام سنا یا آگرہ کے خلیفۂ عصر اور امام زمان کا؟

مرزا عزیز کوکہ، اکبر کا رضاعی بھائی اور دربار کا امیر کبیر تھا، لیکن ساتھ ہی نہایت ہی سیدھا سادھا دیندار، نیک اعتقاد تھا، جب ۱۰۰۱ھ مین یہ ہندوستان سے چلا تو اس کا جہاز یمن جاکر لگا جس پاشا والی یمن نے نہایت شان و شوکت سے اوس کا استقبال کیا، اور مرزا نے ہندوستان کے تحفے اور ہدیے پاشا کے سامنے پیش کئے،[۱]

مدت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ سلطنت تیموری ہر سال ہندوستان کی طرف سے ایک میر حاج مقرر کرتی اوس کے ساتھ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی خدمتگذاری کے لئے بھیجا کرتی تھی، اکبر نے بھی اس رقم کو جاری رکھا، یہ روپیہ عموماً گجرات کے خزانہ سے بھیجا جاتا تھا اسی لئے گجرات کی تاریخون مین اس کا بکثرت ذکر ہے[۲]

شوال ٩٨٣ھ مین جب اکبر اجمیر مین تھا، خواجہ احرار کی اولادین سے خواجہ محمد یحیی کو میر حاج بناکر اور چار لاکھ روپیہ ساتھ دیکر مکہ معظمہ روانہ کیا،[۳] ٩٨٥ھ مین میر ابو تراب گجراتی میر حاج بنائے گئے، اور لاکھون روپے نقد اور سامان اون کو دئے گئے، کہ شریف مکہ کے مشورہ سے وہان علماء و مشائخ اور فقراء مین تقسیم کردئیے جائین[۳]،

اکبر کے بعد جہانگیر نے عنان سلطنت اپنے ہاتھ مین لی، تو سلطان روم نے آتم نام ایک سفیر اوس کے دربار مین بھیجا، لیکن صرف اس شبہہ پر کہ درباریون مین سے کسی نے اوس کی شناخت نہین کی اوس کو قبول نہین کیا گیا، چنانچہ خود تزک جہانگیری مین لکھا ہے،

آتم نام حاجی ماوراء النہری کہ مدتہا در روم بود خالی از معقولیت و موقتی نیست خود را ایلچی خوندکار (سلطان روم) گفتہ، در آگرہ ملازمت کرد کتابت بجہونی نیز داشت نظر باحوال و اوضاع او کردہ ہیچکس

---

[۱] کتاب روح الروح قلمی، واقعات ۱۰۰۰ھ، [۲] بدایونی جلد ۲ صفحہ ۲۷۶، [۳] تاریخ گجرات ابو تراب صفحہ ۹۶ کلکتہ،

از بندہائے درگاہ تصدیق بایلچی بودن او نکردند از زمانیکہ حضرت صاحب قرانی (تیمور) فتح روم کردہ و

یلدرم بایزید حاکم انجا زندہ بدست افتاد و بعد از گرفتن پیشکش وتحصیل مال یکبارگی کل ولایت روم قرارداوند

کہ بدستور ملک مذکور را بتصرف او باز گذارند درہمین اثنا یلدرم بایزید وفات یافت ملک را بہ پسر او موسیٰ چلپی

مرحمت کردہ خود معاودت فرمودند تاحال از جانب قیاصرۂ انجا باوجود چنین احسانے کس نیامدہ و ایلچی نفرستادند

الحال چگونہ باور توان کرد کہ این شخص ماوراء النہری فرستادہ خوندکار باشد اصلا این سخن معقول من نیفاد ہیچکس

برصدق دعوی او گواہی نداد بنابراین فرمودم کہ ہرجا میخواستہ باشد برود، (صفحہ ۷۰ تا ۷۹)

اِس عبارت سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہی کہ خاندانی رقابت کا شعلہ اب تک تیموری شہزادہ کے سینہ مین بھڑک رہا ہی،
بہرحال ترکون نے رشتہ برادری جوڑنے کے لئے اپنی پیشقدمی ظاہر کردی،

جہانگیر کی اِس خشکی اور ترش روئی کی تلافی اوس کے نیکدل اور زود آشنا بیٹے شاہجہان نے کردی،
سنہ ۱۰۴۸ھ مین جب سلطان محمد رابع بغداد کی فتح کے لئے عراق آیا ہوا تھا، ظریف نام ایک قاصد کو گرانبہا تحائف دیکر عراق روانہ کیا، سلطان نے نہایت عزت ومحبت سے قبول کیا، اور ارسلان آقا ایک ترکی قاصد کو اوسکے جواب مین نہایت عمدہ خاصہ کے دو گھوڑے مع مرصع وطلائی ساز وسامان کے اور مرواریدباف عبا دیکر شاہجہان کے پاس بھیجا، ارسلان آقا کے پہنچنے سے پہلے ٹھٹھہ اور ملتان کے صوبہ دارون کے نام احکام بھیجدیئے گئے تھے کہ منزل بمنزل عزت وتکریم کے ساتھ اوس کو پہنچاتے جائین، اور ملتان کے خزانے سے دس ہزار روپے اوسکو سفر خرچ دیئے جائین، (خافی خان، واقعات سنہ ۱۰۴۹ھ)

مرآۃ احمدی نام گجرات کی ایک تاریخ ہی، مصنف صوبۂ گجرات کا دیوان تھا، اسلئے تمام سرکاری کاغذات تک اوس کی رسائی تھی، ذیل مین شاہجہان کی فیاضیون کے اور سلطان روم اور حرم محترم کی بجاآوری خدمات کے واقعات اوس کے مختلف صفحات سے لیکر یکجا کر دیئے جاتے ہین،

۱- شاہجہان نے سنہ ۱۰۳۸ھ مین دیوانِ صوبہ خواجہ جہان کو حرمین کی اجازت دی، پانچ لاکھ روپے

تا چہوشی کی نذر مانی گئی تھی از انجملہ فی الحال ۲ لاکھ ۴۰ ہزار روپیہ کا مال حسب مذاق اہل عرب احمد آباد اور سورت سے خرید کر خواجہ صاحب کے ساتھ بھیجنے کا حکم متصدیان صوبہ گجرات کے نام صادر ہوا، حکیم الزمان بھی رخصت حج لے چکے تھے حکم مین لکھا تھا کہ سارا مال انھین کی راے سے تقسیم ہوگا،

۲- سنہ ۱۰۴۷ھ مین حکیم القاسم حکیم الممالک کو اجازت حج وزیارت ملی اور متصدیان گجرات کے نام حکم صادر ہوا کہ ۶۰ ہزار کا اسباب منجملہ رقم نذر دیجائے،

۳- سنہ ۱۰۵۶ھ مین احمد آباد کے کاریگرون سے خوشبودار عنبر کی ایک قندیل نہایت خوبصورت سات سو تولے کے وزن کی بنوائی گئی، صناعون نے مرصع کاری سے جواہر بےبہا قندیل مین نصب کئے تھے سارے جواہرون مین الماس کا ایک دانہ نہایت پاکیزہ تھا، ایک لاکھ قیمت تھی اور قندیل کا سارا خرچ ملکر ڈھائی لاکھ صرف ہوئے تھے، یہ قندیل بحکم حضور، روضۂ نبوی کے لئے بنائی گئی تھی سنہ ۱۰۵۸ھ مین تیار ہوگئی، ناظم صوبہ نے سید احمد سعید کے ہمراہ حضور مین بھجوادی، بادشاہ نے ملاحظہ فرماکر بہت پسند کی اور حکم فرمایا کہ سید مذکور کے ہمراہ مدینہ طیبہ بھیجی جائے، متصدیان احمد آباد کے نام حکم ہوا کہ ایک لاکھ ۶۰ ہزار روپے کا اسباب حسب مذاق اہل عرب خرید کر سید صاحب کے سپرد کیا جاے تا عتبات کے مستحقین مین صرف ہو اور یہ رقم اسی مد مین لکھی جائے، مگر تقدیر کہ ہوا ایسی چلی کہ جہاز پھر پھرا کر سورت واپس آگیا،

۴- سنہ ۱۰۶۰ھ مین فراست خان نواب ناظر محل شاہی کو حرمین کی اجازت ہوئی چلتے وقت ۵۰۰ اشرفی زادراہ دیا گیا اور ایک لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ کا مال واسباب احمد آباد سے دلایا گیا کہ اون مین سے ۵۰ ہزار کا مال شریف مکہ زید بن محسن کو اور ۵۰ ہزار سادات وعلما وفضلا وگوشہ نشینان مکہ معظمہ کو اور ۵۰ ہزار کا مدینہ طیبہ کے فقرا ومساکین مین تقسیم کیا جائے،

۵- اسی سال سلطان محمد خان والی روم کے ایلچی سید محی الدین (از اولاد شیخ عبد القادر جیلانیؒ) کے سورت مین وارد ہونے کی خبر متصدی بندر کی تحریر سے حضور مین گذری، ایک خلعت اور فرمان گرزبردار

کے ساتھ ایلچی کے پاس بھیجا گیا، اور ۱۰ ہزار روپیہ خزانہ سورت سے ایلچی مذکور کو سفر خرچ کے دئیے گئے،

۶۔ ۱۰۶۱ھ مین ایلچی رخصت ہوا، حاجی سعید احمد کے ہمراہ سورت آیا۔ حاجی صاحب بار دیگر قندیل مذکور پہنچانے کو مامور کئے گئے تھے متصدیان بندر سورت کو تاکید کی گئی کہ ایک لاکھ روپے کا اسباب حسب مذاق اہل عرب حاجی مذکور کو بغرض تقسیم مستحقین مکہ معظمہ سپرد کیا جائے،

۷۔ متصدی بندر سورت کی عرضداشت سے حضور مین دریافت ہوا کہ فرمانروای روم سلطان محمد خان کا ایلچی ذو الفقار آقا برادر وزیر اعظم صالح پاشا مع نامہ و پیام ۲۹ صفر ۱۰۶۳ھ کو وارد سورت ہوا، حکم ہوا کہ بارہ ہزار روپیہ ایلچی مذکور کو خزانۂ سورت سے دئیے جائین،

۸۔ اوسی زمانہ مین قلت غلہ سے بینوایان مکہ معظمہ کی محتاجی اور تکالیف حضور مین گذری، یہ سنکر بادشاہ نہایت متاسف ہوا، ۱۶ جمادی الثانیہ ۱۰۶۴ھ مین خواجہ ضابطہ کا انتخاب ہوا خلعت سے سرفرازی دیکر حرمین شریفین کی اجازت اون کو دی گئی، چلتے وقت ایک لاکھ روپے کا مال و اسباب حسب مذاق عرب سورت سے اون کے حوالے کیا گیا، کہ از انجملہ ایک حصہ شریف مکہ معظمہ کو دوسرا صلحا و فضلا کو اور تیسرا مدینہ طیبہ کے زاویہ نشینون کو دیا جائے،

کارخانۂ ملتان مین ایک جانماز مطابق نمونہ مسجد نبوی بنوائی گئی تھی، تیار ہو کر آ گئی اگرچہ حضور کے پسند خاطر نہ تھی تاہم خواجہ صاحب کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجی گئی،

یہ ایک سرکاری افسر کے روزنامچہ کے سادہ واقعات ہین، خافی خان کے حوالے سے اس سفارت کے واقعہ کی کسی قدر تفصیل لکھی جاتی ہے،

۱۰۶۴ھ مین بندر سورت کے متصدی نے عرضی گذرانی کہ سلطان محمد خان قیصر روم کی طرف سے ذو الفقار آقا خط اور تحائف لیکر وارد ہوا ہے، حکم ہوا کہ گرز برداروں کے ساتھ بندر سورت کے خزانہ سے ۱۰ ہزار روپے سفر خرچ دیکر روانہ کیا جائے اور ۵ ہزار سلطان پور اور نندربار کے فوجدار اور ۱۲ ہزار برہانپور کی

دیوانی سے، اور ۵ ہزار اوجین کی دیوانی سے اور ۱۲ ہزار اکبر آباد کے خزانہ سے ادا کئے جائین، اور یہ بھی حکم ہوا کہ اسکے علاوہ صوبہ دار اپنی طرف سے بھی اوس کی خدمت کرین، اس طرح منزل بمنزل ملتے کرتا ہوا سفیر جب دار الحکومت کے قریب پہنچا، تو حکم ہوا کہ لشکر خان بخشی اور طاہر خان اوسکے استقبال کے لئے جائین اور اپنے ساتھ لاکر حضور مین پیش کرین، سفیر نے قیصر کا خط اور دو گھوڑے جن کے ساز طلائی تھے، اور زین مین موتی ٹنکے تھے، اور گرز مرصع کار جو اوس ملک کے سلاطین کا خاص ہتھیار ہے پیش کیا، بادشاہ نے خط کو باعزاز تمام لیا اور سفیر کو ۲۰ ہزار روپے نقد، اور ارگجہ (؟) کے تین پیالے اور ایک طلائی پاندان عطا کیا، اور ایک سرکاری مکان مین جہان جملہ سامان مہیا تھے اوتارنے کا حکم دیا، اسی زمانہ مین شہزادہ سلیمان شکوہ کی شادی رچی، اس جشن کی تقریب سے ۳۰ ہزار روپے سرکار سے ۲۵ ہزار شہزادہ کی طرف سے اور ۱۵ ہزار ملکۂ دوران نواب قدسیہ کی جانب سے مع دوسرے نقد و جنس کے سفیر کو مرحمت ہوئے، قائم بیگ ایک ملازم جو ترکی و عربی بولتا تھا، نگران مقرر ہوا، اور ایک مرصع خنجر جس کے قبضہ مین بیش بہا موتی اور ایک گران قیمت لعل جڑا ہوا تھا اور جس کی قیمت ایک لاکھ تھی، اور ایک مرصع کمر بند جس کی قیمت ۴۰ ہزار تھی، اور دو ہزار تھان سادہ اور زری کے کپڑے بنگالہ، احمد آباد، اور برہانپور، کی ساخت کے، جن کی لاکھ روپیہ قیمت تھی، اور ۵۰ تولے عطر جہانگیری جس کی قیمت اوس زمانہ مین ۴ ہزار سے زیادہ تھی، اور دوسرے تحائف سلطان کے لئے اوس کے حوالہ کئے گئے، اور علامی سعد اللہ خان وزیر کا لکھا سلطان کے نام ایک عربی خط دیا گیا،

سفیر موصوف سے یہ سنکر کہ قسطنطنیہ مین آجکل طاعون ہے، بادشاہ نے ۱۰۰ دانے موتیون کی تسبیح جس کا امام زہر مہرہ کا تھا اور جو ہمیشہ بادشاہ کے بازو پر بندھا رہتا تھا تحائف مین داخل کر دیا، سفیرون کے ساتھ خانجہان ایک امیر کو احمد آباد اور سورت سے ایک لاکھ روپے کا مال دے کر مکہ معظمہ روانہ کیا، کہ ان مین ایک تہائی شریف مکہ کو دیا جائے اور باقی حرم کے علماء اور مستحقین مین تقسیم کیا جائے،

ملتان کے شاہی کارخانہ مین مسجد نبوی کے عرض وطول کے برابر ایک نہایت عمدہ قالین تیار کرایا گیا تھا، وہ بھی ساتھ کر دیا گیا،

ناظرین! تم نے تاریخون مین والی توران اور دارائے ایران کے دربارون سے بھی بارگاہِ تیموری مین قاصد اور سفرا آتے ہوئے دیکھے ہین، اِس اعزاز، اِس مسرت، اِس فیاضی اور اس عقیدت کا سمان بھی وہان تم کو وہان نظر آیا، اس فرق مراتب کی تم کوئی صحیح توجیہ سوا اِس کے کر سکتے ہو کہ یہ خادم الحرمین الشریفین کی بارگاہ کا قاصد تھا، اور جو کچھ اوس کے ساتھ کیا گیا، اور سلطان کے حضور مین جو کچھ بھیجا گیا اور حرمین کے لئے جو تحائف قاصد کے ساتھ ارسال کئے گئے وہ شاہجہان کا ولولۂ دین پرستی، اور جوش مذہبی تھا،

ناظرین کو حسرت ہوگی کہ یہ شاہی مراسلات اگر آج تاریخون مین محفوظ ہوتے تو کس قدر بیش قیمت چیز ہوتی، لیکن مین اونھین تسلّی دیتا ہون کہ اگر مورخین نے اونکی قدر قیمت کو نہین پہچانا تو ہمارے ادیبون اور منشیون نے اون کی اہمیّت کا صحیح اندازہ کر لیا تھا، سلاطین اور شہزادون کے خطوط ومراسلات کا ایک بڑا قلمی مجموعہ موسوم بہ فیاض القوانین؎ اِس وقت میرے سامنے ہے، اور اِس مین یہ تمام مراسلات موجود ہین، ان مین والیان توران کے معاملات کے متعلق دوستانہ سفارشین اور جوابات مین شاہجہان اپنے عربی خط مورخہ شعبان ۱۰۶۱ھ مین سلطان کو حسب ذیل القاب سے یاد کرتا ہے:—

"الی من الیہ مآب الشوکۃ، وآیات الحشمۃ، رفیع المکان، منیع الشان، بسمو المرتبۃ سما، وعلو المرتبۃ بیغمار، معلی الویۃ السیاسۃ، باسط الریاسۃ، مشید ارکان الشریعۃ الحنفیۃ، ومؤید احکام الملۃ الحنیفیۃ، مقاتل اشرار الزیغ، ومقاتل کفار الافرنج، عالی الحضرۃ، سامی الرتبۃ، سلالۃ خواقین الروم، ناصر الملہوف والمظلوم، مورد الطاف الکریم المفضال، مہبط اعطاف الکبیر المتعال، شمسا للرفعۃ والعزۃ والبسالۃ

؎ یہ نادر مجموعہ ہمارے مخدوم نواب حسام الملک مولوی سید محمد علی حسن خان کا مملوکہ ہے، مولانا شبلی مرحوم نے مضامین عالمگیر مین جہان اس کا حوالہ دیا ہے، اسکی متعدد نقلین انگلستان اور ہندوستان کے مشہور کتبخانون نے حاصل کی ہین،

والعظمۃ والشان، السلطان محمد خان، لازالت شموس سلطنتہ ثابتۃ عن الزوال واقمار دولتہ علی الکمال"

سلطان محمد خان کی طرف سے شعبان ۱۰۶۲ھ مین اسکا جواب شاہجہان کے نام بھیجا گیا، جس مین اولاً شاہجہان کے لئے حسب ذیل القاب ہین،

"بجانب عالی حضرت، معالی منقبت، گردون رفعت، فریدون شوکت، خورشید اضارت، جمشید نباہت، دارادرایت، عطارد فطنت، مشتری کیاست، مسند آرائے سلطنت ممالک ہند، فرمانفرمائے اقلیم سند، مظہر الطاف جلی وخفی، حارس حوزۂ کابلستان وغزنین، جالس اورنگ اقلیم نصرت آئین المختص بمزید عنایۃ الملک المستعان ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی"،

آگے چلکر سلاطین عثمان کے مفاخر مین لکھا ہے،

"بر علم عالم آرائے ایشان (شاہجہان) مخفی ومستور نیست کہ حضرت حق وفیاض مطلق این دودمان عظیم الشان آل عثمان را کہ بلطف ربانی وعون سبحانی محفوف باد، برائے احیائے مراسم دین مبین، واحکام شرع متین بر پا وپابرجا کردہ، واجداد امجاد ما کہ سلاطین پاک گوہر اند وخو آئین معدلت گستر اند از زمن قدر وعہد بعید، وزمان مدید، تاحال بتقدیم مساعی جمیلہ وخدمات وسنیہ جزیلہ موصوف اند وبا عانت وامداد ضعفا مشہور ومعروف"

اسکے بعد لکھا ہے کہ والی توران نے ہماری بارگاہ مین آپکی سختی وتعدی کی فریاد کی ہے،

"برائے قطع رگ نزاع وجدل وحل عقدۂ سخت اشکال بے محل بصوب درگاہِ سلطنت پناہ وخلافت دستگاہ، تضرع نامۂ گنگ گویائے او آمدہ"،

اسلئے مین نے وہ محبت نامہ لکھا:—

"بموجب حمیت دینیہ ورأفت نوعیہ، وہمت ملکیہ، درباب مبذول داشتن ملتمس او ودوالی توران مکتوب محبت اسلوب ارسال داشتہ"،

سفیر کی نسبت لکھا ہی:-

"بتعظیم قوائم سریرِ خلافت مصیر پایہ بوسہ سرفراز کردہ شد"

سلطان کا یہ خط ۱۰۶ھ مین ہندوستان پہنچا، شاہجہان کو اس خط کا عام لہجہ پسند نہ آیا، اور سلطان کو ایک اور دوسرا شکایت آمیز فارسی خط لکھا جس کے القاب یہ ہین:-

"تجمت نصاب، عظمت مآب، بہرام صولت، مشتری سیما، کیوان منزلت، بیضا ضیا، مزین مہاد جانبانی، محسن بساط کامرانی، رافعِ لویۂ دین مبین، ناصبِ اعلام شرع متین، خارب اشرار زنگ مجادل فجار فرنگ، عالی حضرت، فلک رفعت، فرمانفرمائے بلاد روم، حامی ثغور و منظوم المخصوص بوفور لطف الکریم المنان، سلطان محمد خان"

مین نے ان خطوط کے القاب سلئے نقل کئے ہین کہ تاریخون مین، کتب انشا مین، ابوالفضل کے دفترون مین والیان توران اور شاہان ایران کے نام خطوط درج ہین، اون کو پڑھکر آسانی سے ہمارے ناظرین فیصلہ کر سکتے ہین کہ اون مین برادرانہ و مساویانہ طرز خطاب ہی تو ان مین فرق و امتیاز و بزرگی کی گمھد اعلائے دین و نشر جہاد اور دیگر خدمات مذہبی کا اعتراف و تسلیم ہی،

شاہجہان کے پرامن عہد کی تفصیل مین صفحات کچھ زیادہ لگ گئے، لیکن بہرحال وہ ضروری تھے، اب عالمگیر کا عہد آتا ہی اسکے زمانہ مین دلی اور قسطنطنیہ کے تعلقات واضح نظر نہین آتے، البتہ دستور قدیم کے مطابق کبھی ہندوستانی امرا اور علما اور میر حاج کی معرفت اور کبھی شرفائے مکہ کے وکیلون کی معرفت حرمین کی اعانت و امداد کی رقم برابر جاری ہی، ۱۰۸ھ مین میر عزیز بدخشی نے جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ نذر دیکر بھیجا گیا تھا وہین انتقال کیا (مرآۃ احمدی)

عالمگیر کے بعد ہندوستان کی تیموری طاقت کا زوال ہونے لگا، نئی نئی طاقتین ملک مین ابھرنے لگین، اس وقت ہندوستان کی بساط پر جو پورپین شاطر اپنی اپنی قسمت کے پانسے ڈال رہے تھے

اون سب کو معلوم تھا کہ اس ملک کے مسلمانون کے دلون مین سلطان کی عقیدت کا کتنا گہرا نقش ہے، اور بحیثیت خلیفۂ اسلام اونکی اطاعت کو وہ کسقدر فرض جانتے ہین، چنانچہ اوس عہد کے انگریز و فرانسیس دونون قومون کے کھلاڑی اپنی بازی کی جیت کے لئے سلطان ہی کے نام سے اپنے پانسے ڈالنے لگے، دونون نے اپنی کامیابی کا ذریعہ یہ سمجھا کہ وہ اپنے کو سلطان اور خلیفۂ اسلام کا دوست اور حلیف اور دوسرے کو مخالف اور دشمن ثابت کرین، فرانسیسیون نے اس باب مین جو کوششین کی ہین اونکا کسیقدر بیان علامہ جبرتی کی تاریخ مصر (جلد ۳) مین ہی، انگریزون کی کوششون کی روداد ایک انگریزی تاریخ مین موجود ہی جو ۱۸۰۰ء مین سرکاری کاغذات کی مدد سے مرتب کی گئی تھی، اس کتاب کا عنوان یہ ہی

A Review of the Origin Progress and Result of the Decisive War with the Late Tipu Sultan

نیز حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی فارسی تاریخ کارنامۂ حیدری مین یہ مراسلات درج ہین، چار سال ہوتے ہین کہ معارف (فروری ۱۹۱۶ء) کو ان خطوط کے انکشاف کا فخر سب سے پہلے حاصل ہوا ہے ٹیپو سلطان کے تعلقات براہ راست سلطان سے قائم تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ سے (غالباً موسم حج کے تعلق سے) باہم خط و کتابت جاری تھی، اوس زمانہ مین ارل آف مارننگٹن (مارکوئیس آف ویلسلی) ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ہندوستان کے گورنر جنرل تھے، اور مسٹر اسپنسر قسطنطنیہ مین برطانی سفیر تھے انگریزون نے سفیر مذکور کی وساطت سے سلطان ٹیپو کے نام ۲۰ ستمبر ۱۷۹۸ء کو سلطان سلیم ثالث کے دربار سے ایک خط حاصل کیا، یہ خط عربی زبان مین کئی صفحون مین ہی، اس کا ماحصل یہ ہی کہ "فرانسیسی بڑے غدار ہین، ملحد ہین، بیدین ہین، اسلام اور مسلمانون کے دشمن ہین، اور انگریز ہمارے دوست اور مددگار ہین، اسلئے فرانسیسیون سے کوئی تعلق نہ رکھو، اور انگریزون سے صلح کر لو" ۱۶ جنوری ۱۷۹۹ء کو یہ خط سلطان ٹیپو کے پاس بھیجا گیا، اور اس کے ساتھ گورنر جنرل مذکور نے ایک خط خود اپنی طرف سے لکھا، جس کے حسب ذیل

فقرے عبرت افزاے چشم بصیرت ہین،

آپ کے لیے بہتر ہی کہ تمام مذاہب کے دشمن اور خلیفۂ اسلام پر حملہ آور ہونے والے فرانسیسیون سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر کے اپنا جوش اسلامی دکھائین، اور اُمید ہی کہ جب آپ نامۂ سلطانی کو پڑھینگے تو آپ اس نتیجہ پر پہونچینگے کہ فرانسیسیون نے مسلمانون کے مسلّم خلیفہ کی توہین کی اور بر حملہ آور ہوئے ہین اور بے وجہ اوس ملک (مصر و شام) مین ظالمانہ جنگ شروع کی ہی، جس کی ہر مسلمان عزت کرتا ہے اور جس کو مذہب اسلام کی یادگارون کا خزینہ سمجھتا ہی،،

سلطان ٹیپو نے سلطان سلیم کے اس خط کا نہایت مختصر جواب عربی مین لکھکر بھیجا جس کا ترجمہ حسب ذیل ہی،

اوس خدا کی حمد، جس نے اسلام کو بڑے بڑے سردار دنکی نگہبانی سے زینت بخشی اور جس نے مذہب کی بنیاد کو برگزیدہ بادشاہون کے نظم و نسق سے مضبوط کیا، درود سلام ہو ویسکے پیغمبر محمدؐ پر اور اون کے آل رضؓ و اصحاب رضؓ پر جو خیر الانام علیہ السلام کے طریقہ کے مددگار تھے، بعد ازین:- وارث مرتبۂ سلیمانیہ جامع رموز حکمت لقمانیہ، مظہر قدرت آلٰہیہ، مورد کرامت غیر متناہیہ، مجمع علوم و حِکَم، کانِ بلندی ہمت معدن لشکر فتح و ظفر، منتخب کتاب قضاؤ قدر، تری اور خشکی کے بادشاہ و دنیا مین خداوند تعالٰی کے خلیفہ، سلطان روم، خدا اونکی حکومت و خلافت کو ہمیشہ قایم رکھے، کی جناب مین گذارش ہے کہ نامۂ عالی نہایت اچھے وقت مین پہونچا، اور اوس کے مضامین سے آگاہی ہوئی جس مین کہ فرانسیسی قوم کی برائیان اور اہل اسلام کے ساتھ اون کی دشمنی، اور اونکا یہ ارادہ کہ دنیا سے تمام مذاہب کو اوکھاڑ پھینکین، اور انگریزون کی حمایت اور جناب عالی کا یہ عزم کہ حضور مین بیچ مین پڑکر ہمارے اور اون کے درمیان تصفیہ کرادین، اور جناب کا یہ حکم کہ ہمارے اونکے درمیان جو وجوہ مخالفت ہین اون کو ہم بیان کرین، مندرج تھا، آستانۂ والا پر مخفی نہین کہ ہماری غرض خدا کے راستہ مین جہاد اور دین آلٰہی کے سر رشتۂ امور کو درست کرنا ہے، یہ آپ نے صحیح فرمایا ہے کہ فرانسیسی قوم مین

دفا شعاری نہین اور ہم اون کی برائیون سے بہت اچھی طرح واقف ہین، لیکن آجکل انگریز ہم سے لڑنے آئے ہین، اور اونھون نے سامان جنگ تیار کیا ہی، اس بنا پر ہم پر بلکہ تمام مسلمانون پر اون سے جہاد فرض ہی، آستانۂ والا سے امید ہی کہ خاص اوقات مین ہمارے لئے دعا فرمائین اور اپنی دعا اور ہمت سے ہماری مدد فرمائین، اسی کی جناب سے درخواست ہی، اور خدا ہمارے اور آپ کے لئے کافی ہی، اور ہم نے اس سے پہلے سید علی محمدؐ اور مدار الدین کی معرفت اس سے پہلے خط لکھا ہے جس مین بہ تفصیل اپنی باتین بیان کی ہین اور نیز ایک دوسرا خط یوسف وزیر کی وساطت سے مدینۂ منورہ کی راہ سے ارسال کیا ہی، ان خطوط سے ہمارے تمام دلی خیالات بہ تشریح و تفصیل جناب والا پر واضح ہونگی،

درود ہو پیغمبر محمدؐ پر اور اون کے آل رضؓ و اصحاب رضؓ پر،،

کیا اس خط کے بعد بھی مسئلۂ "ہندوستان و خلافت عثمانیہ" مین کوئی شک و شبہہ باقی رہجاتا ہی؟

سنہ ۱۲۱۳ھ مین ادھر انگریزون نے سرنگاپٹن پایۂ تخت میسور پر قبضہ کیا اور سلطان ٹیپو نے شہادت پائی اور ادھر مصر کو فرانسیسیون نے فتح کر لیا، سلطانِ شہید کے مزار واقع سرنگاپٹن (میسور) کی دیوار پر متعدد عربی و فارسی کے اشعار و قطعات تاریخ کندہ ہین، جن مین سے ایک دو شکستہ عربی شعرون کی عبارت حسب ذیل ہی،

ان اخذت مصر کما قد ذکروا	اگر مصر فتح کر لیا گیا جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہین
السر بجر فتن اخذت،	اور سرنگاپٹن بھی فتح ہو گیا
مصیبة ما مثلها ارختها،	تو یہ ایک ایسی مصیبت ہی جسکی نظیر نہین، مین نے اس واقعے کی تاریخ کہی ہے
ذھب عز الروم والہند کلھا	کہ روم اور ہندوستان کی تمام عزت خاک مین مل گئی،

اس مختصر لیکن عالمگیر اسلامی اخوت سے متاثر عبارت مین روم اور ہندوستان کے تعلقات کی کسقدر واضح تشریح ہے!

۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۶ء تک کی جنگ کریمیا مین برطانیہ نے اپنے مشرقی مقبوضات کی خاطر ٹرکی کا ساتھ دیا، لیکن ٹرکی کو بہت جلد اس اعانت کی تلافی کا موقع مل گیا، ۱۸۵۷ء کے غدر مین کریمیا کی انگریزی فوج اپنے ساتھ مسلمانان ہند کے نام دربار سلطانی سے ایک فرمان لائی جس مین خلیفۂ اسلام کی حیثیت سے سلطان عبدالمجید نے مسلمانون کو برطانوی حکومت کی اطاعت کی نصیحت کی تھی، افسوس ہو کہ مجھے اس فرمان کی عبارت ابتک نہین ملی ہو تاہم یہ اسقدر مشہور واقعہ ہو کہ ہندوستان سے ہزارون میل دور رہنے والے مسلمان بھی اس سے ناواقف نہین ہین، چنانچہ مصطفےٰ کامل پاشا نے اپنی تصنیف مسئلہ مشرقیہ جلد اول صفحہ ۲۱ مین اور تونس کے اخبار الصواب (۴ر فروری ۱۹۲۱ء) نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہو،

موجودہ دیسی اسلامی ریاستون مین حیدرآباد سے بڑھ کر کوئی اسلامی ریاست نہین ہو، یہ نہین معلوم کب سے لیکن واقعہ یہ ہو کہ مکہ مسجد سے لیکر چھوٹی چھوٹی مسجدون مین ہر ہفتہ جمعہ کے خطبہ مین حضور نظام کے نام سے پہلے سلطان کا نام لیا جاتا ہو، مکہ مسجد مین یہ نظارہ بھی پیش آتا ہو کہ نمازیون کی صف مین خود فرمانروائے مملکت نظام موجود ہوتا ہو اور اوس کے سامنے خطیب خادم الحرمین الشریفین کے لئے دعائے خیر کرتا ہے اور پیچھے سے ہزارون زبانین آمین پکارتی ہین،

روم و روس کی جنگ پلونا مین ہندوستان کے عام مسلمانون نے بلکہ مسلمان والیان ملک تک نے بڑی فراخ حوصلگی سے چندے دیئے تھے، اس تقریب سے ہماری اسلامی ریاست بھوپال نے بھی اپنا فرض ادا کیا تھا، ۱۲۹۶ھ مین نواب شاہجہان بیگم نے گرانقدر مالی امداد سلطان کی خدمت مین پیش کی تھی، اسی کے ساتھ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم نے بھی اپنی جدید تصنیف تفسیر فتح البیان کا ایک نسخہ پیشگاہ سلطانی مین ہدیہ بھیجا تھا، ان ہدایا کے جواب مین بارگاہ سلطانی سے جو فارسی فرمان مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ بمہر خیرالدین پاشا صدر اعظم آیا تھا اوس کی نقل اسوقت میرے سامنے ہو، اصل فرمان نواب صاحب مرحوم کے خاندان مین اب تک موجود ہو، اس فرمان کے حسب ذیل اقتباسات میرے مدعا کے ثبوت کے لئے کافی ہین،

بعد از وفود آن اخلاص شعار بدربار شوکت قرار خلافت اسلامیہ، اعتناً لاامر ظل اللہ المنان (سلطان) کہ بر وقت امت محمدیہ اقدم فرائض است، و تشرف یافتن بمسند جلیل وکالت **خلیفۂ پیغمبر آخر الزمان** صلعم...... در اثنائے این سرور ارادۂ سینۂ حضرت **خلافت پناہی** شرف صادر بودہ......

حصول التفات جہان درجات حضرت **خلافت پناہی** برحق.... فلہذا امتثال امر مطاع

خلافت پناہی کردہ ام، و بنامۂ ہمایون **خلافت پناہی**...[1]

۱۸۷۲ء مین نواب کلب علی خان والی رامپور حج کو گئے تو سلطان کی طرف سے اونکا شاہانہ استقبال ہوا، ۱۸۷۷ء کی جنگ روس مین نواب صاحب نے ڈیڑھ لاکھ روپے نذر بھیجے، سلطان نے اپنے سفیر کی معرفت اونکو فرمان اور تمغۂ مجیدی بھیجا، خلافت عثمانیہ کی مخالفت مین فتنہ پردازی کا آغاز ۱۸۹۷ء کی جنگ روم و یونان سے ہوا، چونکہ برطانیہ کی ہمدردی و اعانت یونان کے شامل حال تھی، اسلئے مقربان بار کو حصول خوشنودی کی فکر ہوئی، سرسید اور اون کے ساتھ چند اور خطاب یافتون نے انکار خلافت مین مضامین کا سلسلہ شروع کیا، پاونیر ان مستند مفتیون کی تحریرون کا دار الاشاعت بنا، اسی زمانہ مین بمبئی کے مسلمانون نے فتح یونان کی خوشی مین جشن منایا، سرسید یہ دیکھکر غصہ سے آگ بگولا ہوگئے، اور ایک پرزور مضمون لکھکر اس "فتنہ" سے مسلمانون کو بچانا چاہا، لیکن وہ نہ بچے اور اس دہکتی ہوئی آگ مین کود ہی پڑے، اوس زمانہ کے مستند علمار نے، اسلامی اخبارات نے اور عام مسلمانون نے سرسید اور اون کے رفقا کی اس تحریک کو نفرت اور غصہ کی نظر سے دیکھا، مدتون رسائل و اخبارات مین اسپر گرم و تند بحثین ہوتی رہین، اور جمہور اسلام کا فیصلہ سرسید اور اون کے معزز رفقار کے خلاف رہا،

دسمبر ۱۸۹۹ء کے علی گڈھ میگزین مین مولانا شبلی مرحوم نے ایک ناتمام مضمون مسئلۂ خلافت پر لکھا، جس مین سرسید اور عام مسلمانون کی نزاع آرا کا حوالہ دیکر تاریخی حیثیت سے یہ بتانا چاہا کہ ترکون سے پہلے بڑے بڑے سلاطین اسلام مین پیدا ہوئے لیکن عباسیون کے مقابلہ مین کسی نے دعوائے خلافت نہین کیا، یہ اوس مضمون کا ماحصل ہو، اس واقعیت تاریخی سے کس کو انکار ہے؟ اصل سوال تو یہ تھا کہ عباسیون

[1] اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۱۶۴

اور دیگر ترکی قوتون کے فقدان کی حالت مین تا لبقِ مستولی و مذہبی اقتدار سلاطینِ ترکی کا دعویٰ قابل تسلیم ہے یا نہین، مولانا نے اسکے متعلق ایک حرف نہین لکھا، اور خود اس مضمون کی ناتمامی دراکیک مختصر نمبر کے بعد مضمون کے دوسرے نمبر کی اشاعت کا التوا اسکی دلیل ہے کہ ایک ہی نمبر سے اونکو معلوم ہوگیا کہ کشف حقیقت کے بجائے اس سے اور زیادہ الجھنون کے پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے، آجکل اس مضمون کی طرف بار بار ہماری توجہ منعطف کرائی جاتی ہے، لیکن اولاً تو ہم ایک کے سوا کسی دوسرے کو معصوم عن الخطا نہین جانتے، دوسرے ایک نا تمام و خارج از بحث مضمون کی بنا پر اوسی مصنف کی زندگی بھر کے کارنامون پر پردہ نہین ڈالا جا سکتا، ۱۸۷۷ء کی جنگ روم و روس مین اپنے شہر سے ہزارون کا چندہ بھیجا، پھر اسی شوق و ولولہ مین ترکی کا سب سے اول سفر کیا، اور اسکے لئے وہ مدتون مطعون رہے، اور اونپر الزام لگایا گیا کہ وہ سلطان عبد الحمید کی طرف سے اتحاد اسلامی کے مبلغ بنکر آئے ہین، لیکن انکا یہ حال رہا کہ آخر وقت تک وہ ترکون کے نام پر سر دھنتے رہے، ۱۸۹۲ء کی یہ مثنوی جو قسطنطنیہ مین بیٹھکر جشن عید کے موقع پر لکھی تھی علی گڈھ میگزین کے ضمیمہ کے صفحہ [illegible]

حضرتِ خاقانِ خلافت پناہ — داغ نہ جبہۂ خورشید و ماہ
مرحبا تاب خلافت دمید — غلغلہ برخاست کہ باد انوید
شاہِ فلک کوکبہ عبد الحمید — اَیَّدَہُ اللّٰہُ بِنَصْرٍ مَّزِیْد
زیب و طراز ہمہ عالم توئی — سایۂ یزدان بجہان ہم توئی
جملہ بدانند کہ در غرب و شرق — ہست ترا تاج خلافت بفرق
تازگی بدر و حنین از تو ہست — زیب و طراز حرمین از تو ہست
جز تو کہ ہست اے شہ انجم پناہ — آنکہ بود شرع نبی را پناہ
قرۂ دین نبوی از تو ہست — بازوی اسلام قوی از تو ہست
شرع بجاہ تو چو شد ارجمند — باد بفرمان تو چرخ بلند

قسطنطنیہ کے قیام مین ہم سلاملق کا نظارہ دیکھا تھا خطبہ مین جب سلطان کا نام آیا تو اوسکا اثر علی گڈھ میگزین کے ضمیمہ کے مصنف پر یہ ہوتا ہے،

خطیب نے جب سلطان کے مقصورہ کی طرف نگاہ اٹھاکر بڑے جوش سے یہ کہا کہ اللہم انصر ہذا السلطان السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان الغازی عبد الحمید خان تو میرے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے [illegible] خطیب نے پہلے صحابہ کا نام پڑھا اور سلطان کا نام آیا تو ایک زینہ اتر آیا، تاکہ ظاہر ہو کہ سلطان گو ظل اللہ ہین مگر اونکا رتبہ حضرت صدیقؓ و حضرت عمرؓ سے کچھ نسبت نہین رکھتا، (مکاتیب جلد ا صفحہ ۱۶)

جنگ بلقان مین اگرچہ اونھون نے بہت کچھ کہا لیکن صرف ایک شعر اونکے عقیدہ دلی کا آئینہ ہے،

زوال دولتِ عثمان، زوال شرع و ملت ہے — عزیزو فکرِ فرزند و عیال و خانمان کب تک

پچھلی جنگ مین انکی وفات سے چندروز پیشتر ترکون نے جنگ مین شرکت کی تھی، شہر کے چند وفادارون نے اونکے مکان پر ایک جلسہ کا اعلان کیا، اور جب لوگ جمع ہوگئے تو اونکو اطلاع کی اور مرضی دریافت کی، اوسوقت بستر موت پر اونکی زبان سے یہ پرسوز فقرہ نکلا کہ "آہ! مین تو اپنے کو اس لائق بھی نہین سمجھتا کہ میری کھال سے ترک اپنے جوتون کا تسمہ بنائین"

۱۹۱۱ء مین شملہ مین ایک سرکاری مشرقی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، اثنائے ملاقات مین برن صاحب چیف سکرٹری صوبہ متحدہ نے مولانا سے دریافت کیا کہ اب مسلمان مذہبی حیثیت سے حکومت برطانیہ کو کیسا جانتے ہین، مولانا نے کہا کہ آپکو خبر نہین کہ ہم خطبون مین السلطان ظل اللہ فی الارض پڑھتے ہین، برن صاحب نے فرمایا کہ ہان مگر اس سے مراد تو سلطان ترکی ہین

مضمون کا خاتمہ ذیل کے دو اقتباسون پر ہوتا ہے، مشہور انگریزی رسالہ "دی سینیٹ" نے نومبر ۱۸۹۵ء کے نمبر مین "سلطان اور اوسکے رفقاء" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا تھا، اوس کا فقرہ حسب ذیل ہے:-

"سلطان، سلطنت (برطانیہ) کا رفیق ہے، جو مشرقی جنگ کے وقت انگلستان کا مددگار رہیگا، سلطان فقط فرمانروای نہین ہے، بلکہ تاج برطانیہ کی سات کروڑ مسلمان رعایا کا مذہبی پیشوا بھی ہے،"

یہ سات کروڑ مسلمان رعایا، ہندوستان ہی کے مسلمان تو نہین ہین؟ مسٹر بلنٹ سے بڑھکر ترکی اور مشرق کی تاریخ کا واقف کار انگریزون مین نہین، وہ اپنی تصنیف مستقبل اسلام مین جسکا اردو ترجمہ مسٹر اکبر حسین صاحب الہ آبادی مرحوم کے قلم سے ہوا ہے، لکھتے ہین،

"حنفیون کے علاوہ، سلطان کو مالکی و شافعی بھی جو پہلے خلافت عثمانیہ کو تسلیم نہین کرتے تھے اب صدق دل سے خلیفۃ الاسلام تسلیم کرنے لگے ہین...... اور ہندوستان کے مسلمان ہر جگہ ان کے لئے مساجد مین علانیہ دعائین مانگتے ہین،"

سب سے آخر مین مسئلہ کا فیصلہ اس رای العیان واقعہ سے ہوتا ہے کہ مدتون سے ہماری مسجدون کے منبر و محراب انہین سلاطین عظام کے نامون سے گونج رہے ہین، وللہ الحمد،

سید جمال الدین

(۱)

سید جمال الدین افغانی کا نام گذشتہ چالیس پچاس سال سے تمام دنیاے اسلام مین جس طرح بچہ بچہ کی زبان پر ہے اُسکا اثر تو یہ ہونا چاہیئے تہا کہ لوگون کو اُن کے حالات اور سوانح زندگی بکثرت معلوم ہوتے اور ہر مشرقی زبان مین اُنکی متعدد سوانحعمریان لکھی جاتین، لیکن کسقدر حسرت کا مقام ہے کہ نہ صرف یہ کہ ترکی، عربی، فارسی اور اردو کسی زبان مین اُنکے حالات کا معتدبہ ذخیرہ نہین ملتا بلکہ انکی زندگی کے اہم اور ضروری اجزا بھی نامعلوم ہین، روس، انگلینڈ اور فرانس مین ان کے یورپین دوستون نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی حد سے زیادہ ادہورا اور ناتمام ہے، اردو مین آجکل چند صاحبون نے انکی سوانح نگاری کا فرض ادا کرنا چاہا ہے، مگر لفاظی اور مصنوعی انشا پردازی کے سوا اسکے اندر اور کچھ نہین،

جرمن کے فارسی رسالہ کاوہ کے کسی ایرانی اہل قلم نے سید موصوف پر ایک وسیع اور پُر معلومات مضمون لکھا ہے جسمین تمام متفرق و منتشر معلومات کو اس نے یکجا کر دیا ہے، ہمارے دوست ضیاء برنی صاحب اسکو اردو مین منتقل کرکے ہمارے بیحد شکریہ کے مستحق ہوئے ہین، اسکی اہمیت کی بنا پر ہم اسکو مقالات مین جگہ دیتے ہین، مضمون نگار نے اپنے مضمون کے ماخذون کے متعلق حسب ذیل بیان دیا ہے،

"سید جمال الدین کے حالات زندگی کا ماخذ شیخ محمد عبدہ کی تاریخ ہے، جو انھون نے "الرد علی الدہریین" کے مقدمہ مین دی ہے، اور جسمین تحریر و ربط کے ساتھ واقعات لکھے ہین، اسکے علاوہ پروفیسر براؤن نے بھی "تاریخ انقلاب ایران" مین انکی مفصل سوانحعمری درج کی ہے، لندن کے زمانہ قیام مین مرحوم جمال خود مسٹر

نے اپنی کتاب (گارڈن خرطوم) مین تفصیل دار لکھا ہے اور روزمرہ کے حالات درج کئے ہین، مزید برآن گولڈ زیہر نے بھی اسلامی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف اسلامی) مین جمال الدین کے تحت مین کچھ حالات بیان کئے ہین، "تاریخ بیداری ایرانیان" مصنفہ ناظم الاسلام کرمانی "مشاہیر الشرق" مصنفہ جرجی زیدان اور "المآثر والآثار" مصنفہ اعتماد السلطنت سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، ان کتابون کے علاوہ ان دوستون کی روایات سے بھی فائدہ اُٹھایا گیا ہے جو طہران، روس، لندن، اسلامبول وغیرہ مین مشار الیہ سے دوستانہ تعلقات رکہتے تھے یا ان کے ساتھ رہ چکے ہین۔

مشرقی ممالک مین سید جمال الدین عام طور سے سید جمال الدین افغانی کے نام سے مشہور ہین، اقوام اسلام کے سیاسی معاملات سے اُنھین بہت زیادہ شغف تہا، صاحب موصوف بلاشبہہ ایک غیر معمولی انسان اور اعلیٰ خصائل سے متصف بزرگ تھے، خداوند تعالیٰ نے مختلف صفات اُنکی ذات مین جمع کر دی تہین، اُنکی مخصوص فطری قابلیت یہ تھی کہ ان کے ارشادات سامعین کے دلون مین اُتر جاتے تھے۔

ان کی زندگی کے ابتدائی واقعات معلوم نہین، اُن کے مولد کے متعلق دو مختلف روایتین بیان کی جاتی ہین، ایک یہ کہ وہ افغانی تھے، اور ہندوستان مین جارہے تھے، مگر تحصیل علوم افغانستان مین کی تھی، دوسری مین ان کا اسدآبادی ہونا بیان کیا جاتا ہے، اور تحصیل علوم ہمدان، قزوین، اصفہان اور مشہد سے منسوب کیجاتی ہے، جن اشخاص نے اُنکی زندگی کے حالات تحریر کئے ہین وہ ان دونون روایتون کی وجہ سے بہت اُلجھن مین پڑ گئے ہین، بہرحال بہت سے غیر ایرانی جو سید صاحب سے ملے ہین، اُنھون نے یہ بتایا ہے کہ سید صاحب اپنے تئین افغانی بتاتے تھے، ہمین مختلف احتمالات مین سے یہ احتمال حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصلاً ایرانی تھے، اور اسدآباد کے رہنے والے تھے، اُن کے والد کا نام سید صفدر تہا، جو اسی ولایت کے رہنے والے تھے

بظاہر وہ عالم نوجوانی مین ہجرت کر کے کابل چلے گئے تھے، اور وہین اپنی غیر معمولی قابلیت کے جوہر دکھلائے اور اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے۔

سال پیدائش ۱۲۵۴ھ ہے، عالم طفولیت ہی مین اسلامی علوم مین تبحر حاصل کر لیا تھا[1]، اور حکمت ریاضی اور نجوم مین بھی کافی دستگاہ پیدا کر لی تھی، تاریخ پر انہین بہت زیادہ عبور تھا، اٹھارہ سال کی عمر مین ہندوستان کا سفر کیا، اور ایک سال اور چند مہینے تک وہان قیام کیا، یہین رہ کر انھون نے یورپین علوم سے کسی حد تک واقفیت پیدا کی اور سیاسیات سے دلچسپی لینی شروع کی، اسکے بعد ۱۲۷۳ھ مین مکہ معظمہ کا سفر کیا، اسمین پورا ایک سال لگا، حجاز سے واپس افغانستان آئے اور آتے ہی امیر دوست محمد خان کی ملازمت کر لی، جو لڑائی کہ امیر مذکور اور اسکے عموزادہ اور داماد سلطان احمد شاہ کے مابین ہرات مین ہو رہی تھی، اسمین سید جمال الدین امیر کی معیت مین تھے، دوست محمد خان نے ۱۲۷۹ھ مین انتقال کیا، اسکے بعد شیر علیخان تخت نشین ہوا، اور اس نے اپنے وزیر محمد رفیق خان کی تحریک سے اپنے بھائیون محمد افضل خان، محمد اعظم خان، محمد اسلم خان اور محمد امین خان کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے، آخری تین اشخاص کو اسکا پہلے سے علم ہو گیا، اور وہ فرار ہو گئے، اور خانہ جنگی شروع کر دی، بالآخر محمد اعظم خان اور افضل خان کے صاحبزادے عبد الرحمن خان (جو بعد مین امیر ہوئے) نے مل کر کابل کو فتح کیا اور محمد افضل خان کو قید خانہ سے رہائی دیکر غزنین مین لائے اور اسکو امیر افغانستان بنایا[2]، اسکا انتقال تقریباً ایک سال بعد ہو گیا[3]، اور اسکے بعد مرحوم کے بھائی محمد اعظم خان جانشین ہوئے، جدید امیر نے سید جمال الدین کو اپنا مشیر خاص بنا لیا، اور ہمیشہ انہی کے رائے سے کام کیا کرتا تھا، شیر علیخان امیر سابق ابھی تک قندہار مین تھا، اور افغانستان کا ایک

[1] مصنف المآثر والآثار کے بیان کے مطابق علوم شرعیہ کی تحصیل قزوین مین کی اور پھر وہان سے طہران مین آئے۔ [2] ۷ محرم ۱۲۸۳ھ [3] جمادی الآخر ۱۲۸۴ھ۔

بڑا حصہ اسکے قبضہ و تصرف مین تھا، ۱۲۸۵ھ مین شیر علیخان نے کابل پر حملہ کر دیا اور مدت تک جنگ جاری رکھنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس نے اسی سال، جمادی الاخری مین کابل کو فتح کر لیا، اور دوبارہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا، اس واقعہ کے بعد محمد اعظم خان نیشاپور اور اسکا بھتیجا عبد الرحمن خان بخارا بھاگ کر چلا گیا، سید جمال الدین بدستور کابل ہی مین رہے، اور اپنی سیادت کے باعث شیر علیخان کے انتقام سے محفوظ رہے، لیکن تھوڑی ہی مدت بعد حج کے ارادہ سے سفر مکہ کی اجازت چاہی، اور افغانستان سے روانہ ہو گئے، سفر حجاز کے اجازت نامہ مین یہ شرط درج تھی کہ ایران سے ہوتے ہوئے نہ جائین، (مبادا محمد اعظم خان سے ملاقات کرین) اسی وجہ سے وہ ۱۲۸۵ھ مین ہندوستان کی راہ عازم حجاز ہوئے، ہندوستان مین ایک ماہ تک انہین ٹھہرنا پڑا، اور بالآخر وہ مصر کے جہاز سے روانہ ہو گئے، مصر مین چالیس دن تک قیام رہا، اور اس عرصہ مین علمائے جامع ازہر کے ساتھ مذاکرات علمی ہوتے رہے، سفر مکہ کے بعد وہ اسلامبول پہنچے جہان دولت عثمانی اور بالخصوص صدر اعظم علی پادشاہ کی جانب سے اُن کا تپاک آمیز استقبال کیا گیا، چھ ماہ کے قیام کے بعد وہ "انجمن دانش عثمانی" کے ممبر بنگئے، قسطنطنیہ مین پہنچنے کے ساتھ ہی حسن فہمی (شیخ الاسلام) کے دل مین انکی طرف سے جذبۂ حسد پیدا ہو گیا، سید اگرچہ جوان تھے مگر عالم جید اور شیخ الاسلام حسب معمول معمر تھے اور جاہل، اور وہ نہین چاہتے تھے کہ ایران یا افغانستان کا ایک نوجوان اسلامبول آئے اور اعیان مملکت کی جانب سے اسکی اسقدر عزت و احترام ہو۔ سید صاحب نے راقم الحروف کے ایک دوست سے پیٹرزبرگ مین یہ بات بیان کی تھی کہ اسلامبول پہنچنے کے بعد مین شیخ الاسلام کی مجلس مین گیا، اور نہایت بے اعتنائی کے ساتھ صدر مجلس کے پاس جا کر بیٹھ گیا، جسکی وجہ سے شیخ الاسلام مجھسے ناراض ہو گئے، ...."
شیخ الاسلام موقع کی تلاش مین تھے، تا کہ اپنے مخصوص حربہ سے کام لین، جسے وہ ہزار سال سے

حقیقی علما، اور دانشورون کے خلاف استعمال کرتے رہے ہین، یعنی اپنے حریف کے خلاف کفر کا فتوی دیکر اسے میدان سے نکال دین، چنانچہ اُنھین یہ موقع رمضان (۱۲۸۷ھ) مین ملا، (اسلئے کہ اسی مہینہ اس حربہ کو صیقل کیا جاتا ہے) تحسین پادشا (وزیر دار الفنون) صفوت پاشا (وزیر علوم) اور منیف پاشا (سفیر قدیم معینہ طہران) اور دیگر اصحاب کی درخواست پر سید جمال الدین نے دار الفنون کے محصلین کے روبرو اپنا ایڈریس (خطبہ) پڑھا[1]، شیخ الاسلام نے اسکے ایک جملہ کی غلط تفسیر[2] کرکے شور و غل بپا کر دیا، عرصہ تک اس فقرہ پر اخبارات مین چہ میگوئیان ہوتی رہین، اور جب بہت زیادہ شدت اور تلخی کا اظہار ہونے لگا، تو اس وقت (اواخر ۱۲۸۷ھ) ارادۂ سلطانی صادر ہوا کہ سید کچھ عرصہ کے لئے اسلامبول سے باہر چلے جائین، چنانچہ وہ مصر روانہ ہوگئے، اور عین ایرانی نوروز کو وہان پہنچے۔

درحقیقت سید جمال الدین کا سیاسی اور علمی شہرہ اسی تاریخ سے شروع ہوتا ہے، ابتدا مین ان کا ارادہ مصر مین اقامت کرنے کا نہ تھا، لیکن ریاض پاشا نے جو وزارت مصری کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، اُن سے ملاقات کی، اور انکی لیاقت و کمالات سے وہ اسقدر متاثر ہوے کہ انھون نے اُن کے لئے حکومت مصر سے ایک ہزار غروش مصری کا ماہوار وظیفہ مقرر کرا دیا، پھر سید مصر مین رہنے لگے، دُور دور سے طالب علم استفادہ کے لئے آتے تھے، شروع مین اپنے ہی مکان مین اور بعد مین جامع ازہر مین مختلف علوم اسلامی پر درس دیتے تھے، اُن کی شہرت کا دائرہ روز بروز زیادہ ہوتا گیا، اور انکی غیر معمولی فصاحت و بلاغت اور قدرت بیان کے

[1] بعض حوالون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا موقع آخر شعبان مین پیش آیا ہے، اسلئے کہ عثمانی ممالک مین ایام رمضان مین دار الفنون (کالج و اسکول) عموماً بند رہتے ہین، [2] ایڈریس اور شیخ الاسلام کے اسرار کی پوری تفصیل "الرد علی الدہریین" کے مقدمہ مین درج ہے۔

باعث انھون نے اپنے شاگردون کو سکھایا کہ مختلف مضامین کو عربی مین کس طرح نیچرل (فطری) طرز تحریر مین ادا کیا جا سکتا ہے، مصریون مین بھی پرانے خیال کے فقہا اُن کے مخالف ہوگئے، اور درس فلسفہ کے باعث اُن پر سخت اعتراضات وارد کئے گئے[1]، ویویان جو مصر مین سلطنت انگریزی کا نمایندہ تھا، ان کے سیاسی خیالات سے اسقدر برافروختہ ہوا کہ بالآخر توفیق پاشا کو جو نئے خدیو مقرر ہوئے تھے، اُن کے اخراج کا حکم نافذ کرنے پر مائل کر دیا، چنانچہ وہ ماہ شوال ۱۲۹۶ھ مین اپنے خادم اور شاگرد ابو تراب کے ساتھ مصر سے خارج کر دیئے گئے۔

اس معاملہ کے متعلق اشخاص سے مختلف روایات سننے مین آئی ہین، خود سید نے کسی سے کہا تھا کہ مین نے اسمٰعیل پاشا کے خلاف مصری افواج کی مشہور و معروف بغاوت کی مخالفت کی تھی، اور مصر مین بھی یہ سُنا گیا کہ وہ فرامیسن لاج مین داخل ہوگئے تھے، اور وہان انگریزون کی مخالفت مین چند کلمات کہے تھے، بعض عربی جراید سے یہ معلوم ہوا ہے کہ انھون نے خود فرامیسن لاج کی بنیاد قائم کی تھی، جسکے ممبرون کی تعداد تین سو تھی، اکثر مصری نوجوانون نے جو اس زمانہ مین تحریک حریت مین پیش پیش تھے، اور نیز بعض مشہور اہل قلم نے ان سے استفاضہ کیا تھا، شیخ محمد عبدہ (مفتی) ان کے شاگرد تھے، اور اسی طرح اسحاق (ادیب) بھی اُن کے تلامذہ مین سے تھے، مشہور یہ ہے کہ عربی پاشا جو مصری شورش پسندون کے سرخیل تھے، ان سے بہرہ مند ہو چکے تھے، ایک خط[2] مین جو خود سید صاحب نے فرانسیسی زبان مین مسٹر بلنٹ کو لکھا تھا، یہ دعوی کیا ہے

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا مین "سُنّی" کے عنوان کے تحت مین درج ہے، کہ سید جمال الدین نے ابن سینا کے فلسفہ کو جامع ازہر کے نصاب مین داخل کر دیا تھا، وہ اسپر درس بھی دیا کرتے تھے، اور زمین کی شکل دکھانے کی غرض سے مسجد مین ایک کرہ بھی لے آئے تھے، جسپر علما نے بیحد غوغا بلند کیا تھا، اور بالآخر وہ ازہر سے خارج کر دیئے گئے

[2] یہ خط جسپر ۲۴ جمادی الآخر سنہ ۱۳۰۱ھ کی تاریخ ثبت ہے، پیرس سے لندن گیا تھا، اور بلنٹ کی (بقیہ بصفحہ دیگر)

کہ مہدی سوڈانی کے بہت سے ساتھی میرے شاگرد رہ چکے ہیں۔

جمال الدین مصر سے پھر ہندوستان گئے اور حیدر آباد دکن میں سکونت اختیار کی اور وہیں سے "ردِّ نیچریہ" رسالہ[1] ۱۲۹۷ھ میں فارسی میں تصنیف کیا، ۱۲۹۹ھ میں یعنی مصر پر انگریزی فوج کشی کئے جانے سے پیشتر جو اسی سال ماہ شعبان میں عمل میں آئی تھی، حکومت ہند نے انہیں دکن سے کلکتہ میں بلا لیا، اور وہاں انہیں مصری شورش کے فرد ہو جانے تک نظر بند رکھا، واقعۂ مصر کے بعد انہیں حکم دیا گیا کہ ہندوستان سے باہر چلے جائیں، ہندوستان سے وہ بظاہر امریکہ گئے یا چند دن لندن میں ٹھہر کر عازم امریکہ ہو گئے،

امریکہ میں چند ماہ رہے، اُن کا ارادہ یہ تھا کہ جمہوریت امریکہ کا مطالعہ کریں۔ بعد ازان وہ لندن روانہ ہوئے، اور جمادی الاخری یا رجب ۱۳۰۰ھ میں انگلستان پہنچے، کچھ دنوں بعد وہ ذیقعدہ میں پیرس گئے، اسی زمانہ میں ولفرڈ بلنٹ[2] (مشہور سیاست دان و مصنف) انہیں پیرس میں اپنے مکان میں لے گئے، بلنٹ رقمطراز ہے کہ ابتدا میں لندن میں وہ مشائخ کا لباس پہنتے تھے مگر اب انھون نے علمائے اسلامبول کا لباس اختیار کر لیا ہے، اور انکو خوب زیب دیتا ہے، اُنھون نے ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی بھی سیکھ لی ہے، اور ان مصری سیاسی مفرورین سے جو یہان پناہ گزین ہین، تبادلۂ خیالات کرتے، اور نشست و برخاست رکھتے ہین، چونکہ مین خود سیاحت ہند کا ارادہ رکھتا تھا، اسلئے میری خواہش پر جمال الدین نے چند سفارشی خطوط مجھے دیئے تا کہ لوگ

(گذشتہ سے پیوستہ) کتاب "گارڈن خرطوم" میں موجود ہے۔ [1] یعنی ردّ دہریان، یہ رسالہ بمبئی میں ۱۲۹۸ھ میں چھپا، اور اسکا اردو ترجمہ ۱۳۰۱ھ میں کلکتہ میں طبع ہوا، اسکا عربی ترجمہ شیخ محمد عبدہ نے "الرد علی الدہریین" کے نام سے کیا جو ۱۳۰۳ھ میں بیروت میں چھپا۔ [2] Wilfrid Blunt یہ صاحب متعدد کتابون کے مصنف ہین جنمین انگریزی قبضۂ مصر کی خفیہ تاریخ نمایان شہرت رکھتی ہے۔

بھیپر اعتماد کرین، ان خطوط کا بہت زیادہ اثر ہوا، وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ تمام ہندوستان مین لوگ انکی عزت و تکریم کرتے ہین، جس زمانہ مین مسٹر بلنٹ کے ساتھ پیرس مین مقیم تھے، اسوقت اُنھون نے ایک جلسہ مین تقریر بھی کی تھی، اور افغانستان مین اپنے خاندان کے متعلق حالات بیان کئے تھے، اور چند حکایات بھی سنائی تھین،

جمال الدین تقریبًا تین سال تک پیرس مین مقیم رہے، رجب ۱۳۰۱ھ کی ابتدا مین ٹیورن کی منڈی دیکھنے کی غرض سے اٹلی گئے، وہان ایک ہفتہ ٹھہرنے کے بعد پیرس لوٹ آئے، بلنٹ سے انکی ۱۳۰۱ھ کی بہار مین پیرس مین دوبارہ ملاقات ہوئی، اسوقت وہ شیخ محمد عبدہ کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرہ[1] مین جسکا طول ۲½ گز اور عرض بھی اسیقدر ہوگا، اور جو سب سے آخری منزل مین واقع تھا، رہتے تھے، اور وہین سے اپنے اخبار "العروة الوثقیٰ" کی ادارت کرتے تھے، اس زمانہ مین مہدی سوڈانی کا مسئلہ انگلستان کے پیش نظر تھا، اور سید مہدی سے راہ و رسم اور خط و کتابت رکھتے تھے، اسلئے یہ تجویز کی گئی کہ سید جمال الدین مہدی اور انگلستان کے درمیان ثالث بن کر صلح کرا دین، اور اس غرض کے حصول کے لئے مہدی کے پاس ایک وفد بھیجا جائے، بظاہر گلیڈ اسٹون جو انگلستان کے وزیر اعظم تھے، اسی غرض سے پیرس مین مقیم تھے، لیکن بالآخر انگلستان کی وزارت خارجہ نے اس تجویز کو رد کر دیا، اخبار "العروة الوثقیٰ" ۱۳۰۱ھ سے پیرس مین جاری کیا گیا[2]، اور اسکا پہلا پرچہ ۱۵- جمادی الاول کو شایع ہوا، اس اخبار کے صرف اٹھارہ نمبر نکلے، سترہوان نمبر ۱۴- ذی الحجہ کو اور آخری نمبر ۲۶- ذی الحجہ کو شایع ہوا، انگریزی حکومت اس

[1] یہ مکان کوچۂ سِز (Rue de seize) مین واقع تھا، اخبار کے چھٹے نمبر سے محل ادارت تبدیل کر دیا گیا تھا، جدید مکان کوچۂ مارٹل (Rue martel) مین واقع تھا۔ [2] سید جمال الدین اور محمد عبدہ کی جانب سے۔

ہفتہ وار اخبار کی روز افزون ہر دلعزیزی سے بہت تشویش مین پڑ گئی اور مختلف ذرایع سے
جنین اسکا داخلہ ہند بھی ممنوع قرار دیدیا گیا تھا، اسکے بند کرنے کے اسباب پیدا کردیئے۔

جس زمانہ مین وہ پیرس مین تھے، وہ فرانسیسی اخبارات مین مشرقی معاملات پر مضامین
لکھا کرتے تھے، انگریزی اخبار بھی اُن کے اقتباسات درج کرتے تھے، ان تمام مباحث مین
وہ مباحثہ خاص طور پر مشہور ہے، جو ارنسٹ رینان[1] مشہور فرانسیسی عالم کے ساتھ "اسلام و علم" کے
موضوع پر ہوا،

انگلستان کی وزارت سے گلیڈ اسٹون کے مستعفی ہوجانے پر (۲۵ شعبان ۱۳۰۲ھ) اور
چرچل کے وزیر ہند ہوجانے کے موقع پر بلنٹ نے جمال الدین کو لندن آنیکی دعوت دی تاکہ
چرچل کے ساتھ عالم اسلام اور انگلستان کے مابین اتحاد کی گفتگو کی جائے، چنانچہ سید ۱۰ شوال کو
وارد لندن ہوئے اور بلنٹ کے یہان فروکش ہوئے، جہان وہ تین مہینہ سے زیادہ ٹھہرے اسی کے
گھر مین مسٹر چرچل اور سر ڈرمنڈ ولف[2] سے ملاقاتین رہین، اسی سال ماہ ذیقعدہ مین یہ تجویز طے
ہوئی کہ سید جمال الدین ڈرمنڈ ولف کے ساتھ سب سے پہلے اسلامبول چلین، ولف مذکور کا
مصر مین انگریزی نمایندہ کے طور پر تقرر ہوچکا تھا، اور طے یہ ہوا تھا کہ مصر جانے سے پہلے وہ
اسلامبول جائے اور سلطان المعظم کے روبرو مصر کے متعلق ایسی قرارداد پیش کرے جس سے

[1] (Earnest Renan) رینان نے ۲۰ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ کو پیرس مین سوربون کے دار الفنون
مین "اسلام اور علم" پر لکچر دیا تھا جمین یہ دکھانے کی کوشش کیگئی تھی کہ اسلام، علم اور تمدن سے بالکل نا آشنا ہے، سید جمال الدین
نے اسکا جواب فرانسیسی رسالہ "جرنل دی دبا" (Journal de Debats) مین شایع کیا، رینان نے
اسکا جواب لکھا، رینان کا لکچر اور اسکا جواب رینان کے لکچرون کے مجموعہ مین شایع ہوچکا ہے۔
[2] مشار الیہ ۱۲۸۶ھ مین ایران مین انگریزی سفیر ہوکر آئے تھے۔

سلطنت عثمانی کو بھی تسلی ہوجائے، اور مصر کا بھی کچھ تصفیہ ہوجائے جو ان دونون سلطنتون کے درمیان
باعث نزاع بنا ہوا تھا، ضمناً یہ گفتگو بھی ہوئی تھی کہ مشار الیہ یہ وعدہ کریگا، کہ انگریزی افواج
تخلیہ مصر کردینگی، اور اس طرح سے دول اسلامی (ٹرکی، ایران، و افغانستان) اور دولت انگریزی
کے مابین اتحاد اور روس کے مقابلہ کے ذرایع مہیا کریگا، اس غرض سے سید کو جنکا اثر وزراے
سلطان پر بہت زیادہ تھا اور جو خود بھی اتحاد اسلام کے طرفدار تھے، مفید مطلب پاکر یہ پختہ
ارادہ کرلیا گیا کہ انہین اپنے ساتھ اسلامبول لیجایا جائے، مگر عین آخری موقع پر ولف سید کو
نظرانداز کرگیا، اور تنہا روانہ ہوگیا، باوجود اسکے سید کے لئے پاسپورٹ (پروانہ راہداری)
لے لیا گیا تھا، اور خرچ راہ بھی ادا کردیا گیا تھا، اس کارروائی سے سید بہت ناراض ہوئے،
یہانتک کہ ۱۳۰۳ھ کی ابتدا مین لندن سے روانہ ہوگئے[1]۔

انگلستان سے سید جمال الدین مشرق روانہ ہوئے[2]، غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ نجد جاکر وہان

[1] سید جمال الدین بلنٹ کے گھر مین مہمان تھے کہ ایک دن (۱۹ محرم ۱۳۰۳ھ) ان کے دو دوست ایک ہندی
اور ایک عرب اُن سے ملنے کے لئے آئے، کسی مذہبی یا سیاسی مسئلہ پر ان دونون دوستون مین سقدر مباحثہ ہوا کہ
منازعہ اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچگئی، مجبوراً صاحب خانہ (بلنٹ) نے اُن سے چلے جانے کے لئے کہا، سید
جمال الدین بھی ان دونون دوستون کے ساتھ باہر چلے گئے، دو تین دن کے بعد جب وہ واپس آئے تو بلنٹ نے
ان سے کہا کہ آپکے لئے نقل مکان کرلینا بہتر ہوگا، اس بات سے سید بہت ملول ہوئے اور دوسرا مکان تلاش
کرکے وہان رہنے کے لئے چلے گئے، اور چند دن بعد وہ لندن سے روانہ ہوگئے،
[2] یہ معلوم نہین ہوسکا کہ لندن سے روانہ ہونے اور ایران پہنچنے تک جمین ایکسال سے زیادہ زمانہ صرف ہوا، سید صاحب
کہان رہے، یہ احتمال ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک روس مین رہے، اس مدت مین اُنکی ملاقات کاتکوف سے ہوئی،
جسکے ساتھ مل کر وہ کام کرتے رہے۔

ایک متمدن اسلامی سلطنت قائم کرین، بہرحال اس سفر مین وہ پہلے خلیج فارس (بوشہر) مین آئے، اور جب انکی آمد کی خبر تار کے ذریعہ سے طہران مین پہنچی تو اعتماد السلطنۃ (محمد حسن خان) نے ناصر الدین شاہ کے حکم سے انہین طہران آنے کی دعوت دی، چنانچہ وہ شیراز و اصفہان[1] ہوتے ہوئے طہران پہنچے، اور حاجی محمد حسن امین الضرب کے مکان مین اُترے، یہ واقعہ غالباً ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ کا ہے، طہران مین انکی مدت اقامت چار مہینے سے زیادہ نہین رہی، اسلئے کہ شاہ ان سے ناراض ہوگئے تھے، اور حکم دیدیا تھا کہ ایران سے خارج کردیئے جائین[2]، جس زمانہ مین سید طہران مین تھے، شاہ نے گیلان کا سفر کیا، لیکن جاڑے کی شدت سے مجبور ہوکر قزوین سے واپس لوٹ آیا، طہران مین اس غیر حاضری کے زمانہ مین بالخصوص وہ نہایت جرأت کے ساتھ اصلاحات کے نفاذ اور استبداد کی شکستگی کی ضرورت پر علی الاعلان گفتگو کرتے تھے، ایران سے سید جمال الدین روس گئے، اور شہر ولادی قفقاز مین محمد علیخان کاشی کے مہمان ہوئے، امین الضرب کے طہران سے آنے کے وقت تک وہین مقیم رہے، وہان سے دونون مل کر ماسکو پہنچے، جہان وہ آقا مرزا نعمت اللہ اصفہانی (جو بعد مین اس شہر مین ایرانی قونصل بن گئے) کے یہان فروکش ہوئے

باقی

[1] اصفہان مین ظل السلطان سے ملاقات کی، اس شخص نے ولی عہد بننے اور تخت سلطنت پر متمکن ہوجانے کے لالچ مین سید کا نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور سید کے روس چلے جانے کے بعد یہ بات سننے مین آئی ہے کہ ظل السلطان انہین اس امید مین روپیہ بھیجا کرتا تھا کہ وہ سلطنت روس کے وزرا کو اسکی جانب مائل کرین۔

[2] سید جمال الدین نے شاہ ناصر الدین سے چند بار ملاقاتین کین، اور ایک ملاقات کے دوران مین انھون نے کمال جرات اور صراحت کے ساتھ معاملات سلطنت کی ابتری اور اصلاحات و ترقی کی ضرورت کے متعلق گفتگو کی، بادشاہ دل مین اس صاف گوئی سے سخت ناراض ہوا۔

مولانا جامی کے خط کی عکسی تصویر

از اکتشاف و تحقیق: شیخ عبدالقادر ایم اے، پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی

مشہور مستشرق اور ایرانی ادبیات کے ماہر پروفیسر براؤن کی لٹریری ہسٹری آف پرشیا کی تیسری جلد ۱۹۲۰ء مین شائع ہوئی ہے، اسمین شیخ شیراز کے بعد سے مولوی جامی تک کے حالات ہین، آخر مین صفحہ (۵۰۸) کے مقابل مولانا جامی کے خط کی عکسی تصویر بھی درج ہے، پروفیسر موصوف نے کچھ نہ کچھ اسکی ادبی اہمیت ہی سمجھکر اسکو داخل کتاب کیا ہے، لیکن اسکے متعلق جو کچھ انھون نے لکھا ہے وہ صرف یہ ہے کہ "مولانا جامی کے ہاتھ کا لکھا ہوا اُن کے کلیات کا ایک نسخہ سینٹ پیٹرسبرغ مین موجود ہے، اور جسکا مفصل ذکر فاضل مستشرق بیرن وکٹر روزن نے اپنی ایک ضخیم تالیف مین کیا ہے، جسمین مولانا کے خط کی عکسی تصویر ۱۸۸۶ء مین شائع کی ہے، جسکی یہ نقل ہے"۔ روزن صاحب کی کتاب یورپ مین محدود رہی، ہندوستان مین عام طور اس نے دورہ نہین کیا، لیکن پروفیسر براؤن کی کتاب ہر بڑے شہر مین پہنچ چکی ہے، لہذا اسکے دیکھنے والون کی نظرون سے مولانا جامی کے خط کی عکسی تصویر گذر جاتی ہے۔

مگر قبل اسکے کہ پروفیسر موصوف کی کتاب ہندوستان آئے اور اسکے طفیل مولانا جامی کے خط کی زیارت نصیب ہو، خود ہندوستان جنت نشان مین مولانا کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ایک کتاب موجود تھی اور اب بھی ہے، جسمین ایک مقام پر انھون نے اپنے فرزند ارجمند کی ولادت کی تاریخ اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائی ہے، اس تحریر کا فوٹو پروفیسر براؤن کی کتاب شائع ہونے سے

پانچ سال پیشتر لیا گیا تھا لیکن اسکی اشاعت ایک قلیل التعداد گروہ تک محدود رہی، آج معارف کے دیکھنے والون کو اسی کے معرفت اس تحریر کے عکس سے متعارف کیا جاتا ہے،

آج سے چھ سال پیشتر جب خاکسار مولانا سید سلیمان صاحب متع اللہ المسلمین بطول بقائہ کی خدمت مین بانکی پور حاضر ہوا تھا اور اُنکے ہمراہ وہان کے فخر مشرق خدا بخش خان مرحوم کے کتبخانہ کی سیر کی تو اسمین ایک نسخہ نستعلیق سلسلۃ الذہب کے دفتر اول کا نظر سے گذرا جسمین ایک مقام پر مولانا جامی نے اپنے فرزند ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت اپنے ہاتھہ سے لکھی ہے، اس تحریر کے مطالعہ نے آنکھون کو نور اور دل کو سرور بخشا، معاً خیال آیا کہ جسطرح مین اس خط کی زیارت سے محظوظ ہوا ہون دوستون کو بھی اسکے دید سے مسرور کردن (کرون)، چنانچہ سید صاحب نے عکس کی اجازت دلوادی اور تاریخ ۴- ماہ مئی ۱۹۱۵ء کو اسکا عکس لیا گیا، اسکی نقل ہدیۂ ناظرین ہے-

یہ وہی ضیاء الدین ہین جنکے لئے مولانا نے فوائد ضیائیہ (شرح کافیہ ابن حاجب مشہور بشرح جامی) اور بہارستان بجواب گلستان لکھی ہے،

جناب مولوی اسلم جیراجپوری نے اپنی حیات جامی (۱۹۱۱ء) مین صفحہ ۹۳ پر لکھا ہے کہ یوسف زلیخا کا جو نسخہ خود مولانا جامی کے ہاتھہ کا لکھا ہوا بانکی پور کے کتبخانہ مین موجود ہے، اسمین انہین کے قلم کا ایک جگہ بطور یادداشت کے یہ نوشتہ ہے، ولادت فرزند..... عفی عنہ یہان مولویصاحب موصوف کو سہو ہوا ہے، یہ نسخہ یوسف زلیخا کا نہین بلکہ سلسلۃ الذہب کا ہے،

خط کی شان بعینہ وہی ہے جو پروفیسر براؤن کی کتاب والے عکس کی ہے، خط نسخ کا رنگ نمایان طور پر غالب ہے، معلوم ہوتا ہے کہ نستعلیق خط جامی کے زمانہ تک علما، اور شعراء کے استعمال مین عام طور پر نہین آیا تھا، یہی شان اس زمانہ کے فارسی مصنفین کے خط کی ہے، ۸۹۸ھ مین مولانا جامی کا وصال ہوا، ۸۹۹ھ کا ہرات مین لکھا ہوا مولانا کمال الدین حسین الواعظ الکاشفی

صاحب تفسیر حسینی معاصر جامی کے تحفۃ الصلوٰۃ کا ایک قلمی نسخہ اسوقت پیش نظر ہے، اسمین بھی یہی شان خط قائم ہے، لام آدھا، کاف آدھا، چ کے ایک ہی نقطہ، جسطرح ایرانی آج گ کے مرکز کی ایک ہی کشش کھینچتے ہین، اسی طرح مولانا جامی کے زمانہ مین خراسان مین یہی رواج جاری تھا، اضافت کی علامت جہان ہمزہ لکھی جاتی ہے مثلاً "ترجمۂ عوارف" وہان صرف ہمزہ ہی لکھکر اکتفا نہین کی گئی بلکہ اکثر ہمزہ کے نیچے ایک زیر بھی لکھدیا گیا ہے، یعنی اسطرح "ترجمۂِ عوارف"- اور یہ صحیح ہے اسلئے کہ اضافت کی علامت صرف ہمزہ نہین ہے بلکہ جیسا کہ اُستادان فن نے تصریح کی ہے، ہمزۂ مکسورہ ہے، پنجاب مین جو رسم الخط جاری ہے، یعنی ترجمہِ عوارف اسکی کیا اصلیت ہے؟ یہ صحیح نہین معلوم ہوتا-

ایک اور بات قابل ذکر ہے، مولانا کاشفی کے صاحبزادے مولانا صفی نے اپنی مشہور کتاب رشحات مین جہان مولانا جامی کے فرزندون کا ذکر کیا ہے لکھا ہے، "اما فرزند سوم ایشان خواجہ ضیاء الدین یوسف بود، و تاریخ ولادت وے چنانچہ بخطِ مبارک ایشان دیدہ شدہ، برین وجہ ست کہ ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف انبتہ اللہ نباتاً حسناً فی النصف الاخیر من لیلۃ الاربعاء التاسع من شہر شوال سنہ اثنین و ثمانین و ثمانمایہ" جو بعینہ اسی عکسی تصویر کی عبارت ہے، کیا بانکی پور والا نسخہ وہی ہے جو مولانا علی بن حسین الواعظ الکاشفی، متخلص بہ صفی صاحبِ رشحات کی نظر سے گذرا تھا؟-

---

مترجمات

اسرارِ خودی

اور

ڈاکٹر اقبال

اسرار خودی کے انگریزی ترجمہ کا ذکر ایک سے زاید بار ان صفحات مین آچکا ہے، یورپ کے نکتہ سنجون نے جس طرز پر اسکا خیر مقدم کیا اس سے بھی ناظرین معارف کافی واقف ہوچکے ہین، بعض احباب کو ڈاکٹر اقبال کے سکوت پر حیرت تھی، لیکن بالآخر ہمارے قومی شاعر کی مہر سکوت ٹوٹی، اور اُنھون نے انگریزی مترجم پروفیسر نکلسن کے نام ایک طویل خط لکھکر بھیجا جو انگلستان کے نامور فلسفیانہ رسالہ کوئسٹ (quest) مین شایع ہوا، ذیل مین اس مضمون کے مفہوم کو خفیف حک و حذف کے ساتھ اردو کا جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا ہے، جس سے امید ہے کہ نکتہ سنجان یورپ کی غلط فہمیون کی ایک بڑی حد تک اصلاح ہوجائیگی، اگرچہ ہمارے نزدیک اقبال کو اور زیادہ بسط و تفصیل سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ (معارف)

مائی ڈیر ڈاکٹر نکلسن

آپ کے خط موسومہ شفیع[1] سے یہ دریافت کرکے مجھے مسرت ہوئی کہ آپکا ترجمہ ’اسرار خودی‘ انگلستان مین مقبول اور بہت کچھ مورد التفات ہو رہا ہے، لیکن بعض انگریزی ناقدین کو میرے اور نیٹشے کے بعض خیالات مین ظاہری مماثلت کو دیکھکر عجیب غلط فہمی ہوئی ہے، اتھنیم کے

۱؎ ڈاکٹر شفیع پروفیسر عربی پنجاب یونیورسٹی، ایڈیٹر معارف کے زمانۂ قیام انگلستان مین پروفیسر براؤن نے اثنائے گفتگو مین انکی حوصلہ افزائی کی تھی۔ (معارف)

ریویو نگار نے تو بعض غلطیان واقعات سے متعلق کی ہین، مگر غالبًا نادانستہ، اسلئے کہ اگر میری اردو نظمون کی صحیح تاریخہاے اشاعت اسکے پیش نظر ہوتین، تو یقینًا میری دماغی زندگی کے ارتقا سے متعلق اسکی راے بالکل مختلف قائم ہوئی ہوتی، اسکے علاوہ اس نے میرے مسئلۂ ”انسان کامل“ کو جرمن فلسفی (نیٹشے) کے ”سوپرمین“ (فوق الانسان) سے گڈمڈ کردیا ہے، مین نے تصوف کے مسئلہ ”انسان کامل“ پر کچھ اوپر بیس (۲۰) سال ہوے لکھا تھا جبکہ نیٹشے کی بھنک بھی میرے کان مین نہین پڑی تھی، یہ مضمون اسی زمانہ مین رسالہ انڈین اینٹیکوری مین شایع ہوگیا تھا، اور اسکے بعد ۱۹۰۸ء مین میرے انگریزی رسالہ ”فلسفۂ عجم“ مین منضم ہوکر نکلا، انگریزون کو اس مسئلہ کے سمجھنے مین بجاے جرمن فلاسفہ کے انگلستان ہی کے ایک جلیل القدر فلسفی الگزنڈر سے زیادہ مدد ملیگی، جسکے لکچرون کا مجموعہ پچھلے سال گلاسکو سے شایع ہوا ہے، اُسکی کتاب کا جو باب ”معبود و خدا“ کے زیر عنوان ہے، پڑھنے کے قابل ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴۷...... الگزنڈر اس باب مین مجھسے بہت آگے بڑھا ہوا ہے، میرا عقیدہ یہ ہے کہ عالم مین جو شان الٰہی جلوہ گر ہے وہ بالآخر ایک برتر انسان کے قالب مین رونما ہوکر رہیگی[1]، بخلاف اسکے الگزنڈر اسکا قائل ہے کہ ”حقیقت منتظر“ ایک خداے ممکن الوجود کی شکل مین جلوہ گر ہوگی، مین اس باب مین الگزنڈر سے متفق نہین، تاہم اگر انگریز شائقین اپنے اس ہموطن کے صفحات کی مدد سے میرے خیالات کو سمجھنا چاہین تو انکی نظرون مین وہ اسقدر نامانوس نہ باقی رہین گے۔

سب سے زیادہ دلچسپ مجھے مسٹر ڈکنسن کا ریویو معلوم ہوا[2]، اور اس کے متعلق چند باتین عرض کرنا چاہتا ہون:-

۱؎ اقبال کی مراد نیابت الٰہی و خلافت حقہ ہے نہ کہ تجسیم خالق۔ (معارف)

۲؎ اس ریویو کا ترجمہ ستمبر کے معارف مین نکل چکا ہے۔ (")

(۱) مسٹر ڈکنسن کا خیال (جیسا کہ میرے نام کے ایک خط مین انھون نے ظاہر کیا ہے) یہ ہے کہ مین نے اپنی مثنوی مین مادّی قوت کو معبودیت کے درجہ پر رکھا ہے، حالانکہ یہ خیال قطعاً غلط ہے، مین جس شے کا قائل ہون وہ روحانی قوت ہے نہ کہ جسمانی طاقت، بے شبہہ جب کسی قوم کو جہاد کی دعوت دیجائے تو اس صدا پر لبیک کہنا میرے عقیدہ مین اسکا فرض ہونا چاہیئے لیکن جوع الارض (تسخیر ممالک) کے لئے جنگ وجدل کرنا مین نے حرام قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو اسرار خودی صفحہ ۱۰۳ الخ) البتہ ڈکنسن کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ نتیجۂ جنگ بہرصورت تخریب ہی ہوتا ہے، خواہ اسکی غایت حق وانصاف ہو، یا ہوسِ ملک گیری وتسخیر، اسلئے جنگ کا انسداد قطعاً کرنا چاہیئے، لیکن تجربہ نے بتا دیا ہے کہ معاہدہ، صلحنامہ، مجلسین، کانفرنسین، انسداد جنگ کے حق مین یکسر بیہودہ ثابت ہوئی ہین، یہانتک کہ بالفرض کسی ذریعہ سے اگر ظاہری محاربات کو روک بھی دیا جائے تو حریص وطامع اقوام اپنے سے کم متمدن اور کم طاقتور اقوام کے لوٹنے کی کچھ اور تدابیر نکال لین گی، پس اصل ضرورت ایک ایسی زندہ شخصیت کی ہے جو ہمارے مسائل معاشرت کو حل کرے، ہمارے خصومات کا فیصلہ کرے، اور بین الاقوامی اخلاق کو ایک مستحکم تر بنیاد پر قائم کرے، اسی خیال کو پروفیسر میکنزی نے اپنے "مقدمۂ فلسفۂ معاشرت" (انٹروڈکشن ٹو سوشل فلاسفی) کی آخری سطرون مین بکمال خوبی ادا کیا ہے، (صفحہ ۳۷۶) اقتباسات ذیل ملاحظہ ہون:-

"کوئی اعلیٰ جماعت اسوقت تک نہین پیدا ہو سکتی جب تک اعلیٰ افراد نہون اور انکی پیدائش کے لئے صرف وقت نظری نہین درکار ہے بلکہ قوت محرکہ بھی - صرف روشنی ہی نہین بلکہ آگ بھی، موجودہ مسائل معاشرت کو محض نظری حیثیت سے سمجھ لینا ہمارے درد کا درمان نہین ہو سکتا، اسوقت ضرورت صرف علماء ومعلمین کی نہین بلکہ رہبرون کی بھی ہے، ایسے رہبر جیسے کارلایل، رسکن اور ٹالسٹائے ہوئے ہین، جو ہمارے ضمیر کو زیادہ سخت اور ہمین اداے فرض پر زیادہ مستعد بنا سکین، بلکہ ضرورت تو ہمین ایک جدید مسیح کی ہے۔ یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ اس جدید رہبر کو عملی دنیا کا شخص ہونا چاہیئے، تاکہ اُسکا پیام صدا بصحرا ہوکر نہ رہجائے، دورِ حاضر کا صحرا ہمارے گنجان شہرون کی سڑکین ہین، اور وہ مسلسل محاربات، جنکے ذریعہ سے ہم راہ فلاح ڈھونڈنا چاہتے ہین، اس رہبر کی آواز ان جگہون مین پہنچنا چاہیئے"

"یا یون کہنا چاہیئے کہ اس دورِ جدید کے لئے ہمین ایک جدید رہبر سے زیادہ ایک جدید شاعر کی ضرورت ہے، بلکہ ایک ایسے شخص کی جو رہبر بھی ہو اور شاعر بھی، حال کے شاعرون نے ہمین فطرت کے ساتھ محبت کرنا سکھایا ہے، اور بتایا ہے کہ اسمین شان خدا کا جلوہ دیکھنا چاہیئے، لیکن ہمین انتظار اس شاعر کا ہے جو اسی وضاحت کے ساتھ انسان مین شانِ خدا کی جلوہ نمائی کی تعلیم دے، ہمین ضرورت اس شخص کی ہے جو روزانہ زندگی مین مقاصد عالیہ کی تکمیل کی تعلیم دے، اور راہبانہ ترک وتجرید کے بجاے اس عملی زندگی مین وہ نصب العین پیش نظر رکھے، جسکے حصول مین ہمارے خیالات، افکار، جذبات اور تمنائین سب کچھ وقف ہو جائین جو ہمارے تزکیہ وتکمیل کا بہترین آلہ ہو"

مین نے "انسانِ کامل" کا جو خاکہ پیش کیا ہے، وہ انگریزی پبلک کی سمجھ مین اسی وقت آسکتا ہے جب وہ امور متذکرۂ بالا کو پیش نظر رکھے، یاد رہے کہ خاندانِ انسانیت کی خانہ جنگیون کا خاتمہ معاہدون اور صلحنامون سے نہین ہو سکتا، انکی ختم کرنے والی شے صرف ایک زندہ شخصیت ہی ہو سکتی ہے، مین نے اسی ہستی کو مخاطب کرکے کہا ہے،

باز در عالم بیار ایّامِ صلح ۔ جنگجویان را بدہ پیغامِ صلح،

(۲) مسٹر ڈکنسن نے اسکا بھی تذکرہ کیا ہے کہ میری تعلیم مردانگی وسختی پیدا کرنے کی ہے، لیکن یہ تعلیم حقیقت کے اس مفہوم پر مبنی ہے، جو مین نے مثنوی مین لیا ہے، میرے عقیدہ مین حقیقت نام ہے شخصیتون اور "خودیون" کے مجموعہ کا جسکی اجتماعی تشکیل کشمکش سے ہوتی ہے اور یہی کشمکش بالآخر باہم نظم وارتباط پیدا کرتی ہے، ارتقاے حیات کے اعلیٰ مدارج اور شخصی عدم ممات کیلئے یہ کشمکش لازمی ہے۔ نیٹشے شخصی عدم ممات کا قایل نہ تھا، اور اسکے آرزومندون سے کہا کرتا تھا کہ "کیا تم دوشِ دہر پر ایک دائمی بار رہنا چاہتے ہو"، نیٹشے کو اس بات مین غلط فہمی یون ہوئی کہ خود دہر یا زمانہ ہی کے متعلق اسکا تخیل غلط تھا، اور مسئلہ دہر کے اخلاقی پہلو پر کبھی اسکی نظر ہی نہین گئی، بخلاف اسکے مین تو انسان کا بلند ترین نصب العین بھی عدم ممات سمجھتا ہون، جسکو اُسے اپنی تمام قوتون کا مرکز بنا لینا چاہیئے، اسی لئے مین ہر قسم کی حرکت کو (جسمین کشمکش بھی شامل ہے) جس سے خودی زیادہ محکم ہو، ضروری سمجھتا ہون، اور اسی لئے مین صوفیانہ جمود اور راہبانہ سکون کا مخالف ہون، مین اس کشمکش کا جو مفہوم لیتا ہون وہ اصلاً اخلاقی ہے نہ کہ سیاسی، درآنحالیکہ نیٹشے کے پیش نظر غالباً اسکا صرف سیاسی مفہوم تھا، جدید سائنس سے ہمین معلوم ہوا ہے کہ قوت مادی کا ہر سالمہ ہزارہا سال کے ارتقاء کے بعد اپنی موجودہ ہیئت تک پہنچا ہے، اسپر بھی اسے دوام نہین اور وہ انحلال قبول کر لیتا ہے، بالکل یہی حال قوت روحانی کے سالمہ یعنی فرد انسانی کا ہے، وہ بیشمار قرنون کے تنازع وجد وجہد کے بعد جاکر اپنے موجودہ مرتبہ تک پہنچا ہے، اور پھر بھی نہایت آسانی سے انحلال واختلال قبول کر لیتا ہے، جیساکہ امراض دماغی کے ہر طالبعلم پر روشن ہے، اسلئے اگر اپنے وجود کو برقرار رکھنا ہے تو لازم ہے کہ گذشتہ زندگی مین جو تجربات حاصل ہوئے ہین انہین فراموش نہونے دے، اور ماضی مین جو قوتین اسکے ثبات مین معین ہوئی ہین، اُن سے مستقبل مین بھی کام لیتا رہے، یہ بے شبہہ ممکن ہے کہ اُسکے آیندہ ارتقاء مین فطرت بعض

عوامل مؤثرہ کو جو ابتک اسکے ارتقا مین معین ہوتے رہتے ہین، (مثلاً جنگ وتنازع) متغیر کردے یا سرے سے محو کردے، اور نئی قوتون کو جو ابتک انسان کے لئے نامعلوم ہین، اسکے ثبات کا ضامن بنادے، لیکن مین اس مستقبل کا خواب دیکھنے والا نہین، اور سمجھتا ہون کہ اس امکان کے بروے کار آنے مین ابھی مدتین درکار ہین، میرا خیال یہ ہے کہ گذشتہ یورپین جنگ سے سبق لینے کے لئے نسل انسانی کہین مدتون مین جاکر تیار ہوگی، اس تصریح سے ظاہر ہوگا کہ مین نے جنگ وتنازع کی ضرورت جس مفہوم مین تسلیم کی ہے وہ اصلاً اخلاقی ہی ہے، ڈکنسن نے افسوس ہے کہ میری تعلیم مردانگی وسختی کے اس پہلو کو نظرانداز کردیا ہے۔

(۳) مسٹر ڈکنسن یہ بھی فرماتے ہین کہ میرے فلسفہ کے اصول اگرچہ عام وعالمگیر ہین لیکن ان کا دائرہ اطلاق مختص ومحدود کردیا گیا ہے، یہ خیال بے شبہہ ایک معنی مین صحیح ہے، شاعری وفلسفہ مین انسانی نصب العین ہمیشہ عالمگیر ہی رکہا جاتا ہے، لیکن اس نصب العین کی تحصیل جب عملی زندگی مین کیجائیگی تو لامحالہ اُسکا آغاز کسی مخصوص جماعت سے کرنا ہوگا جو اپنا ایک مستقل مسلک اور مخصوص موضوع رکہتی ہو اور جسکے حدود مین تبلیغ عملی ولسانی سے وسعت ہوسکتی ہو، یہ جماعت میرے عقیدہ مین "اسلام" ہے، نسلی امتیاز جو اقوام کے اتحاد واشتراک عمل کی راہ مین سب سے بڑا مانع ہے، اسکی سب سے زیادہ کامیاب مخالف ابتک یہی جماعت رہی ہے، رینان کا یہ مقولہ غلط تھا کہ "اسلام اور سائنس باہم متناقض ہین"، فی الحقیقت اسلام اور امتیاز نسلی باہم متناقض ہین، یہ اصول نسلی نہ صرف اسلام کا بلکہ عام انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس وسوسہ شیطانی کی بیخکنی کرنا تمام محبان نوع انسانی کا فرض ہونا چاہیئے، مین نے جب یہ محسوس کیا کہ قومیت کا تخیل جو نسل ووطن کے امتیازات پر مبنی ہے، دنیاے اسلام پر بھی حاوی ہوتا جاتا ہے، اور جب مجھے یہ نظر آیا کہ مسلمان اپنے نصب العین کی عمومیت وعالمگیری کو

چھوڑ کر وطنیت و قومیت کے پھندے مین پھنستے جاتے ہین، تو بحیثیت ایک مسلمان اور محبت
نوع انسانی کے مین اپنا فرض سمجھا کہ ارتقائے انسانیت مین انہین ان کے اصلی فرائض پر توجہ
دلادون، اس سے انکار نہین کہ اجتماعی زندگی کے ارتقاء و نشوونما مین قبیلہ وار و قومی نظامات کا
وجود بھی ایک عارضی حیثیت اور ہنگامی ضروریات کے لئے مفید ہے، اور اگر انکی اتنی ہی کائنات
تسلیم کرلیجائے تو مین اُن کا مخالف نہین، لیکن جب انہین ارتقائے انسانیت کی آخری
و انتہائی منازل قرار دیا جاتا ہے تو مجھے اُن کے بدترین لعنت قرار دینے مین مطلق تامل نہین
بے شبہہ اسلام سے مجھے انتہائی شیفتگی ہے، لیکن مین نے جو آغاز کار کے لئے جمعیت اسلام کو
منتخب کیا ہے، اسکی محرک کوئی قومی و وطنی عصبیت نہین، جیسا کہ مسٹر ڈکنسن میری جانب منسوب
کرتے ہین، بلکہ محض عملی سہولتین ہین، اسلئے کہ دنیا کی مختلف جماعات مین صرف جمعیت اسلام ہی
مجھے اس غرض کے لئے سب سے زیادہ موزون نظر آئی، پھر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام کے
حدود ایسے تنگ بھی نہین، جیسے مسٹر ڈکنسن نے سمجھ رکھے ہین، قرآن جو فقت عامۂ خلائق کو
اتفاق و اشتراک کے لئے صلائے عام دیتا ہے تو اُن کے جزئی اختلافات کو بالکل نظرانداز
کرکے کہتا ہے قل تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم۔

مین سمجھتا ہون کہ اسلام کو ایک خون ریز مذہب سمجھنے کا جو متعصبانہ خیال یورپ مین قدیم
سے چلا آتا ہے، وہ ڈکنسن صاحب کے سر پر بھی سوار ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف مسلمان
بلکہ کافۂ انام اسلامی عقیدہ کے رُو سے آسمانی بادشاہت مین داخل ہونے کے لائق ہے،
بشرطیکہ نسل و قوم کے اصنام کو توڑ دیا جائے، اور ایک دوسرے کی خودی یا انا کو تسلیم کرلیا جائے
مجالس اقوام، حکمبرداریان، صلحنامے، اور فرامین شاہی، خواہ ان مین جمہوریت کا کتنا ہی رنگ
بھرا جائے کسی طرح نوع انسانی کے لئے باعث فوز و فلاح نہین بن سکتے، انسان کی فلاح

…رف اسین ہے کہ سب کو بالکل مساوی و آزاد سمجھا جائے، ضرورت اسکی ہے کہ سائنس کا
مصرف جو ابتک دنیا کی ویرانی و بربادی مین ہوتا رہا ہے، سرے سے اسکو الٹ دیا جائے
اور بعض سیاسیات کو جسکا مقصود ابتک صرف اسقدر رہا ہے کہ جو قومین زیادہ طاقتور اور زیادہ
ہوشیار ہین انہین برباد کیا جائے، ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا جائے، بیشک دوسری قومون کی
طرح مسلمانون نے بھی جنگجوئی و تسخیر ممالک سے کام لیا ہے اور مجھے اس سے بھی انکار نہین کہ
ان مین سے بعض نے اپنی ذاتی حرص وہوس کو جامۂ مذہب پہنایا ہے، با این ہمہ مین اذعان
کامل کے ساتھ کہتا ہون کہ ملک گیری عقاید اسلام مین ہرگز داخل نہین بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ
مسلمانون کے فتوحات اور کشورکشائیون ہی نے اس مبارک نظام جمہوریت و معاشرت کے
نشوونما کو روک دیا، جسکی تخم ریزی قرآن واحادیث نبوی کے صفحات مین کی گئی تھی، یہ ضرور
ہوا کہ مسلمانون نے بڑی بڑی سلطنتین قائم کرلین، لیکن اسکے لئے انہین اپنے بعض اہم ترین اصول
قربان کرنے پڑے اور اسلام کے سیاسی سطح نظر پر قدیم مشرکانہ رنگ پھر دوڑ گیا، اسلام جبتک
دوسرون کو اپنا جزو بنا لینے کے لئے آیا ہے، لیکن کیونکر؟ ملک گیریون کے ذریعہ سے نہین بلکہ
اپنی تعلیمات کی سادگی، اپنی تعلیمات کی موافقتِ عقل سلیم، اور فلسفیانہ موشگافیون سے بیگانگی
کی بنا پر۔ چین مین محض دعوت و تبلیغ کے اثر سے آج جو لاکھون کرورون کی تعداد مین مسلمان
موجود ہین وہ اسکا واضح ثبوت ہین کہ بغیر کسی قسم کے جبر و اکراہ اور سیاسی قوت کے شمول کے
بھی اسلام بخوبی پھیل سکتا ہے، مین نے بیس برس سے زاید دنیا کے فلسفہ کا مطالعہ کیا ہے اور
مین سمجھتا ہون کہ اس بنا پر رائے قائم کرنے مین بے تعصبی برت سکتا ہون، میری فارسی مثنویون کا
مدعا اسلام کی وکالت نہین، بلکہ مقصود صرف اسقدر تھا کہ دنیا کے سامنے ایک عام و عالمگیر
تعمیری نصب العین پیش کرون، لیکن اس نصب العین کا خاکہ تیار کرتے وقت مجھے ناممکن

سلوم ہوا کہ اس نظام معاشرت کو سرے سے نظر انداز کر جاؤن، جسکی غایت وجود یہ ہے کہ
ذات پات، دولت و مرتبہ، نسل و قوم کے امتیازات کو مٹا دیا جائے، اور جسکی تعلیم یہ ہے کہ ایک
طرف معاملات دنیوی کو بھی برتا جائے، اور دوسری طرف انسان معاملات مین اغراض دنیوی سے
بالکل قطع نظر کر کے محض احکام الٰہی پر نظر رکھے، یورپ اس قدیم تعلیم سے بیگانہ ہے یہ درس ہم اسکو دیسکتے ہین،

آخر مین صرف ایک بات اور کہنا ہے، مین نے جو یادداشتین آپکو لکھ بھیجی ہین، اور جنھین
آپ نے اپنے مقدمۂ اسرار خودی مین شامل کر دیا ہے، اُن مین بالقصد مین نے اپنے اور مغربی
حکمار کے خیالات کے مابین تعلقات دکھائے تھے، اس خیال سے کہ اس سے انگلستان مین
میرے خیالات کے سمجھنے مین سہولت ہوگی، ورنہ اگر مین چاہتا تو بہت آسانی سے اپنے خیالات
کے لئے سر رشتۂ استناد قرآن اور مسلمان صوفیہ و حکمار کے اقوال سے پیش کر سکتا تھا، بلکہ اسرار
طبع اول کے دیباچہ مین جو ہندوستان مین شائع ہوا تھا، مین نے یہی کیا بھی تھا، مین دعوی کے
ساتھ کہتا ہون کہ اسرار کا فلسفہ جو کچھ ہے وہ قدیم مسلمان صوفیہ و حکما ہی کی تعلیمات کا تکملہ ہے،
برگسان نے دہر و زمان کی جو تشریح کی ہے، وہ تک ہمارے ہان کے تصوف مین بھی موجود ہے،
قرآن اگرچہ کوئی فلسفہ کی کتاب نہین، تاہم حیات انسانی کے مقصد و رفتار کے متعلق اسمین بھی
متعین ہدایات موجود ہین، جنکا مبنی بالآخر بعض اصول حکمیہ ہی ہین، انھین قدیم اصول کا اگر
کوئی موجودہ مسلمان متعلم فلسفہ آج اعادہ کرے اور وہ بھی قرآن اور فلسفہ ماخوذ از قرآن کی روشنی
مین، تو اس پر "پرانی بوتلون مین نئی شراب بھرنے" کا اطلاق کرنا (جیسا کہ ڈکنسن نے کیا ہے)
کسی طرح صحیح نہین ہو سکتا یہ تو محض قدیم متن کی تعبیر، جدید تجربات کی روشنی مین ہے، مقام
تاسف ہے کہ مغرب اسلامی فلسفہ سے اسقدر ناآشنا ہے! مجھے اس مبحث پر ایک ضخیم کتاب لکھنے کی فرصت ہوتی
تو مین یورپ کے علماے فلسفہ کو بتا سکتا کہ ہمارے اور انکے فلسفہ مین کس بڑی حد تک اشتراک ہے "

طبِّ عربی

پروفیسر براؤن کی تازہ تالیف طبِّ عربی (Arabian Medicine)
پر جسکا ذکر پچھلے نمبر کے اخبار علمیہ مین آچکا ہے، ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ مین حسب ذیل ریویو شائع ہوا ہے،

طب عربی کے موضوع پر لکچر دینے کے لئے پروفیسر براؤن سے بہتر انتخاب شاید کسی اور کا ہو بھی
نہین سکتا تھا، اسلئے کہ وہ نہ صرف ایک ممتاز و نامور مستشرق ہین، بلکہ طبیب بھی ہین، جس عالمانہ انداز
سے انھون نے مسائل پر بحث کی ہے، اُسکا مطالعہ ناظرین کے لئے خاص لطف رکھتا ہے، اور مصنف نے
ان اوراق کی محدود گنجائش مین جو ذخیرۂ معلومات فراہم کر دیا ہے، اسپر وہ مستحق تہنیت ہین، انھین چونکہ
چار ہی لکچر دینا تھا، اسلئے انھون نے اپنے دائرۂ نظر کو آٹھوین اور تیرھوین صدی کے درمیان محدود
رکھا ہے، اور عربی علوم سے متعلق ہمارے جو کچھ معلومات ہین، وہ بھی گویا اسی دور مین محدود ہین، انکے
اقوال (طبیبانہ و مستشرقانہ) دونون حیثیتون سے استناد رکھتے ہین، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ انکی کتاب نہ
صرف تاریخ طب مین ایک اہم باب کا اضافہ کرتی ہے بلکہ عام علمی ذخیرہ مین بھی۔

یہ ابتدا ہی سے ملحوظ رہے کہ جہانتک اہل عرب کا تعلق ہے، زمانۂ جاہلیت یا عہد قبل اسلام
یعنی ساتوین صدی عیسوی سے قبل کے حالات سے دنیا تقریبًا لاعلم ہے، البتہ مسلمانون کے دفعتہً
تمدن اختیار کر لینے کے وقت سے مشرق مین علم کی ایک لہر دوڑ گئی، اور آٹھوین اور نوین صدیون
مین بغداد کے خلفائے عباسیہ کی سرپرستی مین بڑی قوت و اہتمام کے ساتھ جملہ علوم و فنون کا احیار
ہونے لگا، اسوقت یونانی علوم کا ریلا اس زور سے آیا کہ اگر قدیم عربی طب کا کچھ وجود رہا بھی ہوگا تو اس

سیلاب کی رو مین بہ گیا، اسی کے ساتھ اس زمانہ مین شاپور ایرانی و حرّان شامی کے اثرات کافی
حد تک پڑتے رہے، بقول پروفیسر براؤن کے، قدیم اہل عرب مین جو چیزین طب کے نام سے
موسوم تہین، اُن مین اور اس نظام طب مین جو بقراط و جالینوس کے اصول پر بغداد مین مرتب
ہوا، عظیم الشان فرق تہا، طب عربی کی کتابون کی زبان عربی ضرور ہے، لیکن واقعۃً یہ طب یونانی
الاصل ہے، اور اسکی تنظیم مین ہندوستانیون، ایرانیون، اور شامیون کی محنتین شامل ہین، ڈونگٹن نے
سچ کہا ہے کہ "طب یونانی کو، بقراط و جالینوس کے نااہل تلامذہ کے ہاتہون سے نکال کر اس
جھلملاتی ہوئی شمع کو روشن رکہنے والے عرب ہی تہے"

اس دور کی کسی طبی تصنیف کی تفصیلی فہرست مضامین پر نظر کرنے سے حکمت عرب کا صحیح
اندازہ کرنے مین مدد ملیگی، اسکی ترقی کا اصلی مانع یہ امر تہا کہ یہ لوگ اجسام کی چیڑ پہاڑ نہ کرتے تہے،
اور اسلئے تشریح سے ناواقف تہے، بے شبہہ اس امر کی تہوڑی بہت شہادت موجود ہے کہ نوین
صدی مین ایک طبیب بندرون کی چیڑ پہاڑ کرتا تہا، لیکن یہ چندان قابل وقعت نہین، اصل
یہ ہے کہ دوسری قومون کی طرح عربون کو بھی اس باب مین مذہبی حیثیت سے پس و پیش تہا، پھر
پروفیسر براؤن، نوین صدی کی ایک طبی تصنیف "فردوس الحکمت" paradise of wisdom
کے تذکرہ مین لکہتے ہین کہ اگرچہ اسمین بکثرت امراض کا بیان ہے تاہم بجز خاص خاص علامات امراض
اور معالجات کے اور کچھ درج نہین، اور تجربہ مین آئے ہوئے مریضون کے حالات اور اسکے
متعلق یادداشت کہین بھی درج نہین، غرض طب عربی کو اگرچہ اُس نے ابوبکر رازی و ابن سینا کے
پایہ کے اشخاص پیدا کئے، افادی نقطۂ نظر سے آج صرف کہنہ و متروک نظامات طبیہ ہی کی
صف مین جگہ مل سکتی ہے،

موضوع کے سنجیدہ پہلو سے جس پر کتاب مین نہایت مبسوط بحث موجود ہے، قطع نظر کرکے

جب ہم طب کے متعلق افسانہائے کہن پر متوجہ ہوتے ہین، جنکا ایک ذخیرہ ہر قدیم علم سے متعلق
ملتا ہے، تو ذیل کے دو دلچسپ واقعات سے دوچار ہوتے ہین، پہلے حصہ کے متعلق ایک
دلکش تصویر کتاب کے آغاز مین موجود ہے، یہ قصہ یہ ہے کہ دو طبیبون مین ایک بار زہر کے
ذریعہ سے مقابلہ قرار پایا، شرط یہ ٹہری کہ ایک فریق دوسرے کو تیز سے تیز زہر دیگا، تاکہ دوسرا
اپنی قابلیت سے اس زہر کا توڑ کرے، پہلے فریق نے اپنے حریف کا دیا ہوا زہر پیا، لیکن معاً
اپنی دوا کامیابی کے ساتھ کرلی، اسکے بعد جب اُسکی باری آئی تو اس نے ایک گلاب کا پہول
توڑکر اور اس پر کوئی عمل دم کرکے اپنے حریف کو سونگہنے کیلئے دیا، اس شامت زدہ طبیب کے
پاس اس حربہ کے لئے کوئی سپر نہ تہی، وہم و دہشت نے اُسے ایسا دبایا کہ اس معمولی پہول کے
سونگہتے ہی ختم ہوگیا! دوسرا لطیفہ یہ درج ہے کہ دسوین صدی مین بغداد کے ایک مُسن شریف نے
اس امر کی درخواست دی کہ اُسے اپنا مطب جاری رکہنے کی اجازت دیجائے، وہ سب سے
آخری اُمیدوار تہا، ممتحن نے سوال کیا کہ کیا استعداد و قابلیت رکہتے ہو، اسکے جواب مین اُن
بزرگ نے ایک کیسۂ زر ممتحن کی میز پر رکہدیا، اور فرمایا "یہ سچ ہے کہ مین نے باضابطہ کچھ بھی
تعلیم نہین حاصل کی ہے، لیکن ایک بڑے خاندان کی پرورش کا بار میرے ہی سر ہے،" ممتحن کو اسپر
ہنسی آگئی، اور اس شرط کے ساتھ اُنہین سند طبابت دیدی کہ آیندہ بجز سکنگبین اور گل عباس کے
اور کوئی شے نسخہ مین نہ تحریر کرین۔

پروفیسر براؤن نے وقت اور صفحات کی محدود گنجائش کے باعث انہین پانچ صدیون کو
اپنا موضوع بحث قرار دینے کا معقول فیصلہ کیا ہے، لیکن ہماری تمنا تہی کہ طب عربی کا وہ قدیم تر
مشرقی نظامات طبیہ سے موازنہ کرنے مین ذرا زیادہ تفصیل سے کام لیتے، خصوصاً مصر و اسیریا
کے نظامات طبیہ سے، طب مصری کا اُنہون نے بہت ہی مجمل تذکرہ کیا ہے، اور طب اسیریہ کا

سرے سے ذکر ہی نہین کیا ہے، شرق قریبہ کی قرابادین کی تحقیق مین بھی اگر کچھ اور وقت صرف کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا، اسلئے کہ (جیسا کہ شام کی کتب طبیہ سے معلوم ہوتا ہے) ان ممالک کے قدیم طبی تجربات کا ذخیرہ بالکل ضایع نہین ہوگیا ہے، افسوس ہے کہ کیمبرج مین اُن مشرقی زبانون کے جنکی عظمت مسلم ہے، سامی اور پہلو بہ پہلو ان زبانون کے مطالعہ پر بھی وقت صرف کیا جاتا ہے، جو محض مجموعۂ اشارات ہین، (اور جن پر "زبان" کا اطلاق بھی بمشکل ہوسکتا ہے)

تاہم، ہم آخر مین بغیر اس اعلیٰ کتاب کی ذرا بھی تنقیص کئے ہوئے اُمید کرتے ہین کہ پروفیسر براؤن جب فردوس الحکمت کو اپنی تہذیب کے ساتھ شایع کرینگے تو اُسکی قرابادین کی تاریخ پر بھی ضرور روشنی ڈالین گے۔

(ٹائمز لٹریری سپلیمنٹ)

تلخیص و تبصرہ

شاعری کی حقیقت اور اُسکا اثر

عرب عربا کی نگاہ مین

جنگ عظیم کے ہیجان نے جن اسلامی ملکون کو بیدار کیا ہے، اور ان مین قومی و علمی ترقی اور سیاسی آزادی کی لہرین پیدا کردی ہین، اُن مین مصر کے بعد تونس کا درجہ ہے، ایک سال سے وہان الفجر کے نام سے ایک علمی رسالہ شایع ہوتا ہے، جسکا نام اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ اب اُن کے ملک مین شب غفلت کے بعد صبح بیداری نمودار ہوگئی ہے، رسالہ مذکور کی عربی زبان نہایت فصیح اور عمدہ ہوتی ہے، اور ملک کے مایۂ ناز انشا پرداز اسمین مضامین لکھتے ہین، اس رسالہ کے جولائی نمبر مین شعر و شاعری پر ایک دلچسپ اور پر معلومات مضمون نکلا ہے، اس مضمون کا ایک حصہ خاص طور سے پڑھنے کے لائق ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبتک کوئی علم علماء اور مصنفین کے تکلفات، تصنعات اور اصطلاحات کے بار عظیم کے نیچے دب کر "فن" نہین بن جاتا، وہ کسیقدر حقیقت سے قریب تر فطرت کی صحیح مثال، آسان، سادہ اور بے تکلف ہوتا ہے۔

شاعری کی تعریف اور تحدید مین ہمارے علمائے فن نے ورق کے ورق سیاہ کردیے ہین، اور جسقدر اصول و اصطلاحات کی وہ پابندی بڑہاتے گئے ہین، اُسیقدر اُن کا بیان چیستان، معما، اور حقیقت سے دُور ہوتا گیا ہے، یہانتک کہ "فن" کے مطابق شاعری کی سب سے آخری تعریف یہ

گیگئی ہے کہ وہ کلام ہے جسمین وزن ہو، قافیہ ہو، اور متکلم نے بالقصد اُسکو موزون کیا ہو" یہ درحقیقت شاعری کے کالبد کی تعریف ہے، اُسکی رُوح کی نہین،

اسکے برخلاف اس تعریف کو سنو جو اُن لوگون کی زبانون سے نکلی ہے جنکے سینے مصنوعی فن دانی کے داغ سے پاک تھے، بارگاہِ نبوت کے شاعر حضرت عبد اللہ بن رواحہ سے کسی نے پوچھا کہ شعر کیا ہے؟ اُنھون نے جواب دیا "ھو شیئ یختلج فی الصدر فینطق بہ اللسان" یہ وہ چیز ہے جو سینہ مین جب کھٹکتی ہے تو زبان بولنے لگتی ہے" شعر کی وجدانی حقیقت کو کس خوبی سے ان الفاظ مین ادا کیا گیا ہے

حضرت عمر بن خطاب گو خود شاعر نہ تھے مگر شعر وسخن کا نہایت صحیح مذاق رکھتے تھے، اُن سے شاعری کی تعریف پوچھی گئی تو اُنھون نے فرمایا کہ "یہ وہ چیز ہے جو غصہ کو فرو اور جوش کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور سائل کے مطلب کو پورا کرا دیتی ہے" یہ شاعری کی تاثیری حقیقت کا کتنا سچا بیان ہے،

ہم سمجھتے ہین کہ لکھہ پڑھکر اور عروض قافیہ رٹ کر ہر شخص شعر کہہ سکتا ہے، لیکن تم کو سُن کر حیرت ہوگی کہ خلیل بن احمد جو فنِ عروض کا واضع اور بانی تھا وہ شعر نہین کہتا تھا، لوگون نے اُس سے اسکی وجہ دریافت کی، اُس نے جواب دیا کہ "جو مین کہہ سکتا ہون وہ کہنا نہین چاہتا اور جو کہنا چاہتا ہون وہ کہہ نہین سکتا" اس سے معلوم ہوگا کہ شاعری صرف کلام موزون و مقفی کا نام نہین ہے،

یہ شعر ہی کا اثر تھا کہ انحضرت صلعم نے اسیرانِ بدر مین سے ابو عزہ جمحی شاعر کو بلا فدیہ چھوڑ دیا، اور صرف اُس سے یہ عہد لیا کہ وہ آیندہ اپنے شاعرانہ اسلحہ سے مسلمانون پر حملہ آور ہوگا، اور یہ عہد اُس سے نہین لیا کہ وہ لوہے کی چمکدار تلوار لیکر مسلمانون کے مقابلہ مین میدان جنگ مین نہین آئیگا، پھر یہ شاعری ہی کا اثر تھا کہ حضرت کعب بن زہیر جب ایک قصیدۂ معذرت لیکر حاضر ہوئے تو آپ نے اُنکی جان بخشی فرمائی، اور ردائے مبارک عطا کی اور پھر یہ شاعری

ی کا اثر تھا کہ مشہور یہودی شاعر کعب بن اشرف طائی جو اپنی شاعری کے زور سے مسلمانون کے خلاف میدان جنگ مین فوجین بھیجتا تھا، اور مسلمان خواتین کو خطاب کر کے عشقیہ غزلین کہتا تھا مسلمانون کے ہاتھہ سے قتل ہوا، اور یہ بھی شاعری ہی کا اثر تھا کہ نضر بن حارث جو اسیرانِ بدر مین تھا، اور مسلمانون کے خلاف نہایت پرجوش نظمین کہہ کہکر اُبھارا کرتا تھا مقتول ہوا، اور یہ بھی شاعری ہی کا اثر تھا کہ جب اس مقتول کی بہن نے اپنے بھائی کا مرثیہ لکھا اور وہ انحضرت صلعم کے سمع مبارک تک پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ کلام مین پہلے سُنتا تو نضر کو معاف کر دیتا"

چند قدیم آلاتِ رصد

حال مین آثار قدیمۂ ہند کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے، اُسمین مسٹر جی آر، کٹی نے اُن تین اصطرلابون اور ایک کرۂ فلکی پر جو حال مین ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ نے دلی عجائب خانہ کے لئے دلی کے ایک بزرگ سے خریدے ہین، نہایت دلچسپ مضمون لکھا ہے۔

ان آلات مین کرہ پر بنانے والے کا نام اور تاریخ بھی درج ہے، وہ یہ ہے:- "ضیاء الدین محمد بن ملا قاسم محمد بن حافظ عیسیٰ بن شیخ، الہ داد، ہمایونی سنہ ۱۰۸۷ھ تقریباً سنہ ۷۷-۱۶۷۶ء - یہ شخص لاہور کے ایک اصطرلاب بنانے والے خاندان کا معلوم ہوتا ہے، خود اس نے جے سنگہ کے رصد خانہ کے بہت سے آلے اپنی ذہانت سے بنائے تھے، اور اُسی کے ہاتھہ کا سنہ ۱۰۷۰ کا بنا ہوا ایک اور آلہ بھی برطانوی عجائب خانہ مین موجود ہے،

ان دلی کے اصطرلابون مین نہ تو بنانے والون کے نام ہی ہین، اور نہ کوئی تاریخ ہی ہے البتہ اُنکی طرز صنعت سے زمانہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے، ان مین سب سے پرانا اصطرلاب

خط کوفی مین لکھا ہوا ہے، اور تیرہوین صدی کا ہے، اور دوسرا پندرہوین صدی کے آخر کا ہے اور تیسرا جو دیوناگری مین ہے، تقریباً سترہوین صدی کے آخر کا ہے، ان تمام مین علم نجوم و آثار قدیمہ کے لئے بہت کچھ سامان دلچسپی موجود ہے، ان مین سے دو کا کام بہت لاجواب ہے،

پیتل کا کرہ جو ۵ء۱۶ انچ قطر کا ہے، جو ایک چھوٹی سی لکڑی سے لگا ہوا اور سیدھی لکیر سے گھرا ہے، چار نقطہ عظیم نشان دادہ ہین، اور مشرق و مغرب کی تدریجی ترقی کے لئے ابجد حروف ۲ سے لیکر ۹۰ تک کے مجموعہ کے دیئے ہوئے ہین، کرہ پر ۹۲ ستارون کی جگہین بنائی گئی ہین، اور ان مین سے گیارہ کے نام بھی بتائے گئے ہین، ستارون کی جگہ اسطرح بنائی گئی ہے کہ ایک چھوٹے سے دائرہ مین ایک باریک نقطہ دیدیا گیا ہے، اصطرلابون مین بھی ستارون کے مقامات بنائے گئے ہین اور یہ چیزین بہت کچھ ریاضی کے معلومات رکھتی ہین"

شاید ہمارے محکمۂ آثار قدیمہ کے رودادنگار صاحب کو یہ نہین معلوم کہ ہندوستان مین کرہ اور اصطرلاب کے فن کو جس نے ترقی دی وہ شہنشاہ ہمایون تھا، اور اسی لئے ہندوستان مین جو کرہ ساز ہمایون کے طریق پر کرے یا اصطرلاب بناتے تھے وہ اپنے کو ہمایونی کہتے تھے، اور یہی سبب ہے کہ ہندوستان مین جسقدر پرانے اور مستند اصطرلاب اور کرے ملتے ہین اُن پر اکثر ہمایونی لکھا رہتا ہے، لاہور مین ہمایونی طرز کے کرہ اور اصطرلاب بنانے والون کا ایک خاندان آباد تھا، ندوہ کے کتب خانہ مین جو اصطرلاب ہے، اُس پر بھی لاہور کے ہمایونی خاندان کا نام کندہ ہے۔

اخبار علمیہ

۱۹۲۳ء مین رایل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن، جسکا سال افتتاح ۱۸۲۳ء ہے، اپنی یکصدی کی سالگرہ منائیگی، اسکے لئے وسط ۱۹۲۱ء ہی سے انتظامات شروع ہوگئے ہین بطور یادگار کے ایک ضخیم جلد بھی شایع ہوگی، ایک کمیٹی ان انتظامات کے لئے مقرر کردیگئی ہے، جسکے ارکان مین اصحاب ذیل شامل ہین:-

ڈاکٹر مارگولیتھ، ایم، اے، ڈی، لٹ، پروفیسر عربی کیمبرج

مسٹر پارجیٹر، ایم، اے، (ایڈیٹر)

ڈاکٹر نکلسن، ایم، اے، ڈی، لٹ، پروفیسر عربی کیمبرج،

پروفیسر میکڈانل، ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، پروفیسر سنسکرت آکسفورڈ،

پروفیسر سائیس، ایل، ایل ڈی، ڈی لٹ، آکسفرڈ،

سر ہنری ہوورتھ، ایم، اے، ڈی سی، ال،

(ایشیاٹک سوسائٹی جرنل)

ملک سویزرلینڈ مین فی لاکھہ آبادی مین ۲۴۵ اشخاص گونگے پائے جاتے ہین،

عموماً یورپ " " " ۷۹ " " "

ملک امریکہ " " " ۶۸ " " "

(پاپولر سائنس)

اخبارات عالم کی کانگرس کا اجلاس اس سال ہونولولو (مضافات امریکہ) مین قرار پایا ہے، اور تاریخہاے انعقاد ۴ - اکتوبر سے ۱۴ اکتوبر تک ہین، اخبارات ہند کے نمایندہ کی حیثیت سے مسٹر ہارنیمن، سابق ایڈیٹر بمبی کرانیکل شرکت کرینگے۔

ڈاکٹر کیلوگ نے "جرنل آف ہیلتھ اینڈ انڈسٹریز" مین موجودہ انسانی ماحول کے غیر طبعی حالت اور نسل انسانی کے زوال و انحطاط پر ایک مبسوط مضمون لکھا ہے، جسمین وہ تحریر کرتے ہین کہ موجودہ تمدنی طرز معاشرت جسکے باعث گویا ہر فرد بستر مقید ہو کر رہجاتا ہے، صحت و درازی عمر کے حق مین سم قاتل ہے، گوریلا جو حیوانات مین سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے، قید کی حالت مین دو برس سے زیادہ زندہ نہین رہتا، شہر کے تاجرون اور کاروباری اشخاص کا اوسط عمر بمقابلہ کاشتکارون اور دیہاتیون کے بقدر بیس سال کے کم ہوتا ہے، جزیرہ مارکوئیشس کی آج سے سو برس اُدہر ایک لاکھ چالیس ہزار کی آبادی تھی، لیکن تہذیب و تمدن کے زیر اثر اب اسکی کل آبادی چند سیکڑہ رہ گئی ہے، شہری اور دیہاتی اوسط عمر مین فرق کا باعث ڈاکٹر موصوف کی تشخیص مین دونون کا اختلاف طرز معاشرت ہے، دیہاتیون کو خواہ کتنی ہی محنت شاقہ پڑے تاہم وہ میدانون اور تازہ ہوا مین رہنے کے خوگر ہوتے ہین، بخلاف اسکے اہل شہر کی ساری عمر تنگ مکانات کے اندر گزرتی ہے، دیہاتیون کے مقابلہ مین شہریون کے جلد مرجانے کا خاص باعث یہی ہے،

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہین کہ دوران جنگ، مین جو طبی معاینہ کئے گئے، اُن سے معلوم ہوا کہ ۱۲ و ۴۰ سال کی درمیانی عمر کی آبادی مین جو شباب و قوت کا اصلی زمانہ ہے پوری

نصف تعداد ایسے نحیف الجثہ، ضعیف الخلقت، یا دایم المرض اشخاص کی نکلی جو یہی نہین کہ میدان جنگ پر اُسوقت جانے کے ناقابل تھے، بلکہ تربیت و قواعد دانی کے بعد بھی میدان مین جانے کی سرے سے صلاحیت ہی نہین رکہتے تھے! بقول ڈاکٹر صاحب کے اُن کے وطن (امریکہ) کی جو ۱۰ کرور کی آبادی ہے، اُسمین ہر سال ۱۵ لاکھ موتین ہوا کرتی ہین، اور ۳۰ لاکھ افراد بارہون مہینہ مریض رہا کرتے ہین! آبادی ملک مین دس فیصدی اشخاص تپ دق کی، اور ۵ فیصدی مرض سرطان کی نذر ہوتے رہتے ہین، اور امراض قلب و دیگر امراض مزمنہ سے بھی کافی تعداد نفوس ہلاک ہوتی رہتی ہے!

یہ حالات امریکہ کے تھے، اسی فاضل کی تحقیق کے مطابق انگلستان مین ہر سال دیوانون کی تعداد بمقابلہ ہوشیارون کے دوچند ہوتی رہتی ہے، اور فرانس مین دیوانون اور صحیح الحواسون کا تناسب دس اور ایک کا ہر سال قائم ہونے لگا ہے، انگلستان، فرانس، و جرمنی مین شرح پیدائش جس تیزی سے گھٹ رہی ہے، اگر یہی شرح قائم رہی تو آج سے ایک صدی کے بعد ان ممالک مین ایک بچہ بھی موجود نہ ملیگا، اور امریکہ مین بھی اسکے قریب قریب نوبت پہنچ جائیگی۔

ڈاکٹر موصوف کی راے مین امراض حادہ سے جو موتین واقع ہوتی رہتی ہین وہ عموماً حوادثِ اتفاقی یا چھوت لگ جانے کا نتیجہ ہوتی ہین، لیکن امراض مزمنہ سے جو کثرت اموات ہوتی رہتی ہین، اُسکی ذمہ داری ہمارے مفاسد معاشرت پر ہے، یہ مفاسد معاشرت کیا ہین؟ تمباکو نوشی، میخواری، اور عام عیاشانہ و مسرفانہ زندگی، چنانچہ دوران جنگ مین اکثر

ممالک مین جنکی غذا سادہ وقلیل رہ گئی تھی، امراض و تعداد اموات دونون مین نمایان تخفیف ہوگئی، ڈنمارک مین شرح اموات ۴۰ فیصدی گھٹ گئی، اور وہان کے ایک مستند ڈاکٹر ہنڈہیڈ کی راے مین یہ تخفیف نتیجہ تھی، باشندون کی سادہ وقلیل غذا کا، خصوصاً گوشت انڈا وغیرہ ایسی غذاؤن کی تقلیل کا، جنمین اجزاے لحمیہ زیادہ مقدار مین ہوتے ہین، یہی تجربہ جرمنی مین بھی ہوا کہ جب وہ دوران جنگ مین سادہ غذا کے استعمال پر مجبور ہوا تو ذیابطیس نقرس، وغیرہ متعدد امراض از خود معدوم ہوگئے۔

ہندوستان کی دوسری اورینٹیل کانفرنس کا اجلاس، جسکے کلکتہ مین منعقد ہونے کی خبر معارف مین ڈیڑھ دوسال قبل چھپ چکی تھی، اسکی تاریخین ۲۷ جنوری سنہ ۲۲ تا ۳۱ جنوری قرار پائی ہین، لارڈ رونالڈ شے گورنر صوبۂ بنگال نے اس کانفرنس کا سرپرست ہونا قبول کیا ہے۔

دائنا (اسٹریا) کی سوسائٹی آف فزیشینس (انجمن اطبا) کے ایک قریبی جلسہ مین ڈاکٹر کوگورنے بیان کیا کہ ایک نوجوان لڑکی کو جسکی شادی عنقریب ہونے والی تھی اسکے منگیتر نے چھوڑ دیا، لڑکی کو اس بدعہدی سے سخت صدمہ ہوا، اور ہر وقت مضمحل و ملول رہنے لگی۔ لڑکی کے بھائی نے اسکی یہ حالت دیکھکر ایک عامل ہپناٹزم سے اسکا علاج شروع کرایا، اس علاج کا یہ اثر ہوا کہ مریضہ دیوانی ہوگئی، اور مجنونون کی طرح اپنے عزیزون کو مارنے پیٹنے لگی، بالآخر اسپتال مین لائی گئی اور ایک عرصہ کے باقاعدہ علاج کے بعد تندرست ہوئی۔

ٹیگور نے پچھلے دنون یورپ و امریکہ مین جو طویل سیاحت کی، اس سلسلہ مین وسطی ممالک

یورپ مین اُن کا دورہ خاص اہمیت رکھتا ہے کہ ان مین سے اکثر ممالک کچھ ہی روز پیشتر انگلستان اور اسلئے بالواسطہ ہندوستان کے دشمن سمجھے جاتے تھے، ان ممالک کے دورہ کی کسی قدر تفصیل رسالہ کالیجین مین شایع ہوئی ہے جس سے ذیل کے اقتباسات نقل کیے جاتے ہین،

ٹیگور نے سب سے پہلے جنیوا مین قدم رکھا اور یہین سے ٹیوٹانک قوم نے انکا گرمجوشی سے خیرمقدم شروع کر دیا، (ٹیوٹانک، ایک مجموعی نام ہے، جسکے تحت مین سوئزرلینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن، زیچوسلاویکا، و اسٹریا کی سلطنتین شامل ہین) سوئزرلینڈ اور اُسکے مضافات مین ٹیگور نے جنیوا، لوسرین، بیسیل، و زورچ کی دعوت کو قبول کیا، جنیوا مین اُن کا استقبال ڈاکٹر کلاپاریڈ نے کیا جو فن تعلیم کے مستند ماہر اور متعدد تصانیف کے مصنف ہین، یہان روسو انسٹیٹیوٹ مین اُن کا لکچر ہوا، بیسل مین وہان کی یونیورسٹی نے مشہور ماہر سنسکرت پروفیسر ڈاکٹر منگل کی سربراہی مین ان کا خیرمقدم کیا، زورچ مین جو مشہور تجارتی مرکز ہے، ٹیگور کی میزبانی ڈاکٹر بوڈمرنے کی، اور اُسکے متعدد لکچر یونیورسٹی اور لٹریری کلب وغیرہ مین ہوئے، ٹیگور لوسرین مین مقیم تھے کہ اُنکی اکسٹھوین سالگرہ کی تاریخ آپہنچی، اس روز صرف یہی نہین ہوا کہ اُن کے پاس نہایت کثرت سے مبارکباد کے تار اور خطوط پہنچے، بلکہ جرمنی کے مصنفین و ناشرین (پبلشرز) کی جانب سے اُنکی خدمت مین سائنس، فلسفہ، و ادب کی بہترین مطبوعات کا ایک مختصر کتبخانہ ہدیہ پہنچا۔

اس ہدیہ کے ساتھ جو تہنیت نامہ ٹیگور کی خدمت مین پیش کیا گیا، اُسپر جرمنی کے اساتذۂ فلسفہ و حکمت و ادب و جملہ علوم و فنون، مثلاً پروفیسر جیکوبی، ایوکین، کیسرلنگ وغیرہ کے دستخط ثبت تھے، ٹیگور نے اس تحفہ کو قبول کرتے وقت مکتوب ذیل روانہ کیا:۔

"میری اکسٹھوین سالگرہ کے موقع پر جرمنی کی فیاضانہ تہنیت وتحفہ میری ذات کیلئے نہایت پُرمعنی ہے، مین حقیقۃً محسوس کرتا ہون کہ اس عظیم الشان قوم کے جس نے مجھے اپنا بنا لیا ہے، قلوب مین گویا میری آج نئے سرے سے ولادت ہوئی ہے، مغرب وہندوستان کے درمیان ذہنی وروحانی ارتباط پیدا کرنے مین جرمنی کا ہمیشہ سب سے بڑا حصہ رہا ہے، اور آج اس نے ایک مشرقی شاعر کے ساتھ جس محبت کا ثبوت دیا ہے، اُس نے اس تعلق مین ایک شخصی بے تکلفی کی شان کا اضافہ کر دیا ہے،

اسلئے مین یقین دلاتا ہون کہ میرا پیام ممنونیت جو مین اپنے احباب جرمنی کی خدمت مین ارسال کرنا چاہتا ہون، عملاً ہندوستان کی جانب سے ہے کہ اُسکے ایک شاعر کی میزبانی گویا اُسی کی میزبانی تھی۔"

ملک جرمنی مین (جو اب مختلف حصون مین تقسیم ہوگیا ہے) ٹیگور نے ہیمبرگ، میونخ، برلن، فرانکفرٹ، ڈدارمسٹاٹ کو اپنے قدوم سے مشرف کیا، ان تمام مقامات کی یونیورسٹیون نے اسکی میزبانی کی، اور ہر مقام کے مشاہیر فن نے اُسکا خیر مقدم کیا، ہمبرگ یونیورسٹی نے ٹیگور کی یادگار مین علوم ہند کے متعلق ایک پروفیسری کی جگہ اپنے ہان قائم کردی، میونخ، فرانکفرٹ، دارمسٹاٹ تینون مقامات پر اس مشرقی شاعر کے کمالات کا نہایت جوش وخلوص سے اعتراف کیا گیا، برلن مین اسکے لکچر مین شائقین کا وہ ہجوم ہوا کہ یونیورسٹی کا ہال اور صحن ملا کر بھی ناکافی ثابت ہوا، ہزارہا اشخاص سڑکون پر زیارت کے لئے کھڑے رہے، یہین گراموفون مین ٹیگور کی آواز کا ریکارڈ لیا گیا، جسکے لئے اس نے ایک بنگالی ترانہ کا انتخاب کیا، جرمنی مین متعدد مقامات پر "ٹیگور کلب" یا "ٹیگور سرکل" کے نام سے مجلسین قائم ہین، جنمین ٹیگور کی شخصیت وشاعری سے متعلق مذاکرے ہوتے رہتے ہین،

استقبال کی شان وشوکت کے لحاظ سے کوپن ہیگن (دار الحکومت ڈنمارک) کا نمبر سب سے بڑھا ہوا رہا، یہان کے اسٹیشن پر جسوقت ٹیگور نے قدم رکھا ہے، معلوم ہوتا تھا سارا شہر "درشن" کرنے کے لئے اُمنڈ آیا ہے، یونیورسٹی مین لکچر کے بعد طلبہ نے علحدہ ایک جلوس نکالا۔

سویڈن وہ ملک ہے جس نے "نوبل پرائز" کا گرانقدر عطیہ دیکر سب سے پہلے اس جوہر کمال کی قدرشناسی کی تھی، ناممکن تھا کہ یہ ملک ٹیگور کے خیر مقدم کی گرمجوشی مین کسی اور ملک سے پیچھے رہ جاتا، اسٹاکہام مین قدم رکھتے ہی وہان کے اساتذۂ فن جوق جوق ہر طرف سے اُسکی خدمت مین حاضر ہونے لگے جنمین "سویڈش اکاڈمی" کے ارکان سب سے پیش پیش تھے، مشہور سیاح ہند ڈاکٹر سون ہیڈن اور پروفیسر سلما وغیرہ ملنے آئے، مگر سب سے زیادہ دلچسپ ملاقاتین شاہ سویڈن اور ڈاکٹر برینٹنگ (صدر مجلس اقوام) سے رہین، دوسرے لکچرون کے علاوہ یہان کی پرلیس ایسوسی ایشن کی فرمائش پر ٹیگور نے ایک لکچر "مشرق ومغرب" پر بھی دیا، دار السلطنت کے علاوہ ٹیگور کا ایک لکچر اُپسالا یونیورسٹی مین بھی ہوا جو یورپ کی قدیم ترین یونیورسٹیون مین سے ہے،

اسٹریا نے اس سیاح عزیز کو شاہی مہمان بنا کر رکھا، یعنی ٹیگور کی میزبانی اسٹروی جمہوریت کے صدر صاحب کرتے رہے، وائنا یونیورسٹی کے زیر اہتمام اسکا لکچر ہوا، اسی طرح زیکو سلاف جمہوریت کے بھی پریزیڈنٹ نے آسے اپنی مملکت مین مدعو کیا اور اپنا مہمان بنا کر رکھا، یہان کے تمام علمائے فن خصوصاً وہ جو کچھ بھی مستشرقانہ مذاق رکھتے ہین اُنکی خدمت مین حاضر ہوئے اور آن سے بنگالی زبان مین تقریرین کرائین۔

ادبیات

افاداتِ اکبر مرحوم

مین مصیبتون مین ہون اے خدا مرا دل غمون سے دونیم ہے
مرے حالِ زار پہ فضل کر تو رحیم ہے تو کریم ہے
مین بہت ہون بیکس و ناتوان مری بیکسی کی خبر کے
ترے رحم ہی کی امید ہے تو قدیر ہے تو علیم ہے
ترے فضل ہی کا یہ کام ہی مجھے بخش دے مجھے خلد دے
مری معصیت تو کہیگی یہ کہ یہ مستحقِ جحیم ہے

شریعت مین ہے "صورتِ فتحِ بدر" — طریقت مین ہی "معنیٔ شقِ صدر"
نبوت کے اندر ہین دونون رنگ — عبث ہی یہ ملّا و صوفی کی جنگ

خود پرستی، نظر کی پستی ہے — اصل ہستی خدا کی ہستی ہے
خطرۂ دردِ سر، نہ خوفِ خمار — بیخودی مین عجیب مستی ہے
خوب ہے فیضِ عشق کی بدلی — دل وہ ہے جس پہ یہ برستی ہے

گو رنگ ترنگ مین قوت کی کچھ فایدہ انکو دنگی نہین — نقشون مین لکیرین کھینچنے سے فطرت کی حدین بدلنگی نہین

وزون کو تغیر ای ہر دم ادراک ہو حس کو خواہ نہو — ضایع ہی نظر تیری اکبر جب پیشِ نظر اللہ نہو

ادہر دیکھو اے طالبانِ معانی — یہ مے جوش زن ہی مرے دل کے خم مین
شریعت طریقت کو کیا پوچھتے ہو — شریعت ہے "تم پر" طریقت ہی "تم مین"

وہ بچون پر لپکنا ہے، دلیلون مین نہ گہنا ہے — زبانِ عجز ہے اور لذتِ اسماے حسنیٰ ہے

غزل

جناب عزیز لکھنوی

تیرے فراق سے مری ہستی تباہ ہے — میرا وجود میرے لئے اک گناہ ہے
ہے سب کا اتفاق مری موت پر مگر — جو ضبط آشنا ہین انہین اشتباہ ہے
وجہِ خلش ہے نقشِ سویدا سے آشکار — کانٹا چبھا ہے یا یہ کسی کی نگاہ ہے
ہے بس حقیقتِ دلِ زخمی اسیقدر — گلدستۂ بہارِ فریبِ نگاہ ہے
دنیا کو جانتا ہون مین اک فردِ معصیت — جب ہر وجود اسمین سراپا گناہ ہے
آسان نہین ہے بتکدۂ دہر سے عبور — ہر ایک گام پر کوئی بت سنگِ راہ ہے
گنجائش ایک تل مین کہان تیری حسن کی — نظارۂ جمال سے قاصر نگاہ ہے
لکھدو زمانہ بھر کی خطائین مرے یہان — آخر تو فرد میرے عمل کی سیاہ ہے
کہتے ہین آکے لاش پہ اچھا بتائین گے — مرنا بھی انکے عہد مین گویا گناہ ہے
رحمت پہ تیری ناز ہی اے میرے بے نیاز — ہان ہان یہ جانتا ہون کہ میرا گناہ ہے

نقشِ قدم کیبد کا دکہا دون ذرا تجہے — دیکھ اے غریبِ دل یہ تری قتلگاہ ہے
دیکہا نظر اٹہا کے فلک نیلگون ہوا — کس زہر مین بجھی یہ تمہاری نگاہ ہے
یہ منہ چھپائے جاتے ہین جو سوئے میکدہ — مجھسے بھی ان جناب سے کچھ رسم وراہ ہے

قبرِ عزیز دیکھ کے کہتے ہین اہلِ دل
یہ تو کسی شہید کی آرام گاہ ہے

پیامِ کعبہ

جناب شرف دہلوی از مکۂ معظمہ

بہ تتبع جگر مرادابادی

ہم شبِ غم کاوشِ دردِ نہان دیکھا کئے — یا اٹھا کر سر تجھے اے آسمان دیکھا کئے
ان اسیرون کی ذرا حسرت "قفس" مین دیکھیے — دور سے بیٹھے ہوئے جو "آشیان" دیکھا کئے
آنیوالے کوچۂ دلبر مین آخر کون ہین — رشک سے "ہم نقشِ پائے رہروان" دیکھا کئے
چھوٹنا ہی تہا قفس سے اور تو سوجہا نہ کچھ — ہم چمن مین آکے اپنا آشیان دیکھا کئے
دیکھتا تہا دور سے مین رات بزمِ غیر مین — تم کنکھیون سے مجھے اے مہربان دیکھا کئے
کیا کہین جورِ بتان "نظرون" سے گذرے کسقدر — ہم زمین پر آسمان ہی آسمان دیکھا کئے
دل کی باتین انکی آنکھون سے [illegible] اکثر مین — خاک بھی سمجھے نہ کچھ سب رازدان دیکھا کئے
جو نہ کرنا تہا کبھی دنیا مین وہ کرتے رہے — جو نہ ہمکو دیکھنا تہا وہ یہان دیکھا کئے
ہوچکی محوِ نشیمن تو اسیری کی تمیز — قید بیٹھے تھے قفس مین آشیان دیکھا کئے
کیا مزے کی میکدہ مین دعوتِ واعظ ہوئی — میزبان پیتے رہے اور میہمان دیکھا کئے

اپنی پامالی عدو کی سرفرازی تھی وہ شے — جسکو حیرت سے زمین و آسمان دیکھا کئے
"سیر ہین ہی کنجِ تنہائی مین مرآۃِ خیال — گھر مین ہم بیٹھے ہوئے سارا جہان دیکھا کئے"
اضطرابِ دل بھی گویا اک تماشا ہوگیا — کس مزے سے وہ مری بیتابیان دیکھا کئے
پر سمیٹے، سانس روکے، چپکے چپکے ہمصفیر — آشیان سے ہم نگاہِ باغبان دیکھا کئے"

"ای شرف دنیا نے کیا کیا کچھ کرکے دکھلایا مگر
ہمتو حیرت سے سوئے ہندوستان دیکھا کئے"

غزل

نواب حسام الملک سید علی حسن خان صاحب المتخلص بہ طاہر

جب بتون کے نذر اپنا دین و ایمان ہوگیا — پھر خوشی کیا گر کوئی کافر مسلمان ہوگیا
عشق مین احساس خودداری بہت دشوار تہا — آپکے جور و تشدد سے وہ آسان ہوگیا
سن کے اسکے حسن کا شہرہ ہوا تہا کچھ خیال — رفتہ رفتہ دل مین رہ کر وہ بھی ارمان ہوگیا
شب کو اس سے گرم تہا ہنگامۂ راز و نیاز — صبح کے ہوتے ہی وہ خوابِ پریشان ہوگیا،
ابر کی ظلمت ہی مین ہوتی ہے بجلی کی چمک — دودِ دل مجھکو چراغِ راہِ عرفان ہوگیا

شاعری طاہر مرے نزدیک اسکا نام ہے
وارداتِ دل ہوئے جب جمع دیوان ہوگیا

باب التقریظ والانتقاد

تسہیل البلاغت

مصنفہ پروفیسر مرزا سجاد بیگ دہلوی، حیدرآباد دکن

از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دارالمصنفین

اردو زبان اس لحاظ سے نہایت کم مایہ تھی کہ اُسکا علم ادب فن بلاغت کی ایک جامع کتاب سے خالی تھا، ہمکو نہایت خوشی ہے کہ پروفیسر محمد سجّاد مرزا نے تسہیل البلاغت کے نام سے ایک مفید کتاب لکھکر اُسکی کم مائگی کو دُور کردیا، جس سے ہماری زبان کے ادبی خزانہ مین فن بلاغت کے ہزارون گوہر نایاب داخل ہوگئے ہین،

پروفیسر صاحب چونکہ نہایت ہمہ گیر طبیعت رکھتے ہین، اسلئے اُنھون نے فن بلاغت کا پورا احاطہ کرلیا ہے، اُنکی کتاب مختلف حصون پر منقسم ہے، اور ہر عنوان کے نیچے اُسکے تمام جزئیات تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہین، مثلاً "علم معانی" کے تحت مین دلائل کے اقسام، ٹکسالی زبان، اسناد خبری، الفاظ، محاورے، روزمرہ، مسندالیہ، اضمار، علم، صلہ، موصول، اسمائے اشارہ، اضافت، تنکیر، عطف وغیرہ پر گفتگو کی ہے، اور پھر کلام کے مقتضائے ظاہر کے خلاف ہونیکی صورتین بتلائی ہین، اُسکے بعد بلاغت کا عنوان ہے، اسمین مسند، شرط، ظرف، قصر، انشاء، استفہام، امر و نہی، ندا، فصل و وصل، مساوات، ایجاز، اطناب، کے اقسام پر بحث ہی پھر علم بیان کے سلسلہ مین، مجاز، تشبیہ، اطراف تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل، اور کنایہ کا تذکرہ ہے، علم بدیع مین صنائع معنوی، صنائع لفظی، اور عیوب کلام کی تفصیل ہے، آخر مین

فصاحت، بلاغت، زور کلام، وضاحت، رموزِ اوقاف عبارت، فقرے، پیراگراف، فسانہ نگاری، مضمون نگاری کے طریقے بتلائے ہین اور یہین پر کتاب ختم ہوگئی ہے۔

اس تقسیم کے علاوہ کتاب مین ایک تقسیم اور بھی ہے، جو کالجون اور اسکولون کے لئے خاص طور پر مفید ہوگی، اور وہ یہ کہ ہر مسئلہ پر جداگانہ ایک لکچر لکھا گیا ہے، یورپ کے علما کتاب کے مباحث کو لکچرون پر تقسیم کیا کرتے ہین،

کتاب مین بعض جگہ جدتین بھی ہین، جنکی پروفیسر صاحب کی ذات سے توقع تھی، مثلاً حقیقت کے اقسام مین بعض علمائے بیان نے حقیقت شرعی اور حقیقت عرفی عام کو داخل کیا ہے لیکن پروفیسر صاحب کے نزدیک حقیقت شرعی، حقیقت عرفی خاص کا ایک جزو، اور حقیقت عرفی عام حقیقت لغوی مین داخل ہے، اِسلئے مزید تفریق کی کوئی ضرورت نہین۔

علمائے بیان کے نزدیک اطرافِ تشبیہ (مشبّہ اور مشبّہ بہ) کی دو قسمین ہین، حسّی اور عقلی، حسّی کے یہ معنی ہین کہ حواس ظاہری کے ذریعہ سے معلوم ہو، اور عقلی وہ ہے جو حواس ظاہری کے ذریعہ سے نہ معلوم ہو، لیکن زیادہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حسّیات کا ادراک بھی قوت مدرکہ سے ہوتا ہے، جو ایک ذہنی قوت ہے، یعنی مثلاً جب ہم کان، ناک، آنکھ، زبان اور جلد سے کسی چیز کا ادراک کرتے ہین، تو اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے اعصاب کے ذریعہ سے دماغ تک محسوسات کی صورتین پہنچتی ہین، اور قوت مدرکہ اُنکی تمیز کرتی ہے، اس بنا پر اگر دماغ اور آلاتِ حس کا تعلق منقطع ہوجائے تو باوجود آلاتِ حس کی صحت کے محسوسات کا ادراک نہوگا اس سے ثابت ہوا کہ عقل حسیات پر حاوی ہے اور اسلئے کسی شے کو یہ کہنا کہ حسی نہین بلکہ عقلی ہے، بجنسہ یہ کہنا ہے کہ حسّی ہے بھی اور نہین بھی ہے، کیونکہ حسّی کا نقیض غیر حسّی ہے نہ کہ عقلی، اس بنا پر پروفیسر صاحب اس اصطلاح کے مخالف ہین، لیکن چونکہ وہ عام طور پر

متداول ہو چکی ہے، اسلئے اُسکے بدلنے کی جرات نہین کر سکے،

اطراف تشبیہ کی دو قسمین اور بھی نکلگئی ہین، وہمی اور خیالی، لیکن علماے علم النفس نے قوت متخیلہ اور واہمہ کی جو تشریح کی ہے وہ علمائے بیان کے بالکل مخالف ٹھہرتی ہے، علمائے بیان نے قوت متخیلہ کے نسبت لکھا ہے کہ وہ ان صورتون کو جو خیال مین مجتمع ہوتی ہین مرکب کرتی اور بکھیرتی ہے، بخلاف اسکے قوت واہمہ کا صرف یہ کام ہے کہ خاص خاص صورتون مین جو خاص خاص معنی ہین اُنکو ادراک کرے، حالانکہ علم النفس مین متخیلہ کا کام یہ بتلایا گیا ہے کہ نفس ناطقہ مین تجربات حسیہ کا جو نقش مرتسم ہوجاتا ہے اسکو وہ بلا تغیر و تبدل ذہن مین مستحضر کردیتی ہے، اس بنا پر وہ نہ صور ذہنی کو ترتیب دیتی ہے، نہ اُن کا تجزیہ کرتی ہے، اسی طرح قوت واہمہ کا کام یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب بدلتی اُن مین تصرف کرتی اور ذہن مین ایسی چیز کی تصویر پیش کرتی ہے جو در اصل موجود نہین ہوتی، اس بنا پر علماے بیان نے جو کام متخیلہ کا بتلایا تہا وہ واہمہ کا ہے، اسکے علاوہ بعض علما نے وہمی کو عقلی مین داخل کیا ہے حالانکہ وہ در اصل حسی ہے، کیونکہ وہ کسی ایسی شے کا تصور قائم نہین کرسکتی جسکے اجزا حسی نہون ان وجوہ کی بنا پر پروفیسر صاحب کے نزدیک خیالی اور وہمی کی تقسیم صحیح نہین ہے۔

علم بیان مین استعارہ تبعیہ اسکو کہتے ہین کہ لفظ مستعار فعل یا مشتقات فعل ہو، مثلاً "مٹی خراب کی" اس موقع پر استعارۃً بولتے ہین جب یہ کہنا ہو کہ ذلیل و خوار کیا، اسمین اگرچہ درحقیقت تشبیہ مصدرون مین ہے، یعنی مٹی خراب کرنا، ذلیل و خوار کرنا، لیکن بطریق تبعیت فعل کو مستعار کہا گیا ہے، علماء نے اسکے ضمن مین حروف کو بھی داخل کیا ہے، لیکن پروفیسر صاحب اس بنا پر اس رائے کے مخالف ہین کہ حرف کی تعریف یہ ہے کہ جو بغیر کسی دوسرے لفظ کی آمیزش کے کوئی مستقل معنی نہ رکہتا ہو، اور جو شے مستقل معنی نہ رکہتی ہو اسکو کسی شے سے تشبیہ نہین دیجاسکتی اور

جب تک مستعار لہ اور مستعار منہ مین تشبیہ نہو استعارہ قائم نہین رہ سکتا، اس بنا پر حروف مین استعارہ نہین ہوسکتا،

لیکن ان خوبیون کے ساتھ کتاب مین بعض فروگذاشتین بھی ہین،

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہان اُردو مین صرف و نحو یا بلاغت پر جو کتابین لکھی جاتی ہین اُن مین عموماً لوگ یہ کرتے ہین کہ عربی زبان کے اصول و قواعد کو اُردو مین ادا کردیتے ہین اور صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ عربی کے بجاے اردو کی مثالین دیدیتے ہین، حالانکہ ظاہر ہے کہ ہر زبان کے خصوصیات الگ الگ ہین، تسہیل البلاغت کو سامنے رکھیئے تو معلوم ہوگا کہ ہم اُردو مین تلخیص یا مختصر معانی پڑھ رہے ہین،

(۲) عموماً مثالون کو سامنے رکھکر ہر چیز کے اقسام بنائے گئے ہین، جس سے اگرچہ اقسام کی تعداد بڑھ گئی ہے، تاہم اُن سے کوئی اصول کُلّی معلوم نہین ہوتا، مثلاً متعلقات فعل مین جہان مفعول کے حذف ہونے کی صورتین گنائی ہین، چوتھی صورت یہ بیان کی ہے کہ مقام خطاب ہی مین مفعول کو حذف کردیتے ہین، حالانکہ غائب اور متکلم مین بھی بعینہ یہی قاعدہ جاری ہے، چھٹی صورت یہ بتلائی ہے کہ خوف دلانے کے موقع پر بھی مفعول محذوف ہوتا ہے، حالانکہ حذف کی وجہ خوف دلانا نہین بلکہ خوف کی تعمیم ہوتی ہے، خوف پر کیا موقوف ہے، فیاضی یا کسی اور وصف کی جب تعمیم مقصود ہو تو مفعول کا تذکرہ نہین کیا جائیگا، کیونکہ اس سے تعمیم کا مقصد فوت ہوجاتا ہے۔

تشبیہ و استعارہ کے متعدد اقسام کا یہی حال ہے،

(۳) کہین کہین مسامحات ہوگئے ہین، مثلاً تقدیم مفعول سے حصر کا فائدہ پیدا ہونے کی جو مثال دی ہے، اُسمین خود حرف حصر موجود ہے، اسلئے یہ نہین کہا جاسکتا کہ یہ تقدیم مفعول کا اثر تہا،

کتاب مین ایسی مثالین بھی موجود ہین جو درحقیقت مثل لہ کے مطابق نہین ہین ایسی شعر جو تقدیم مفعول کی مثال مین پیش کیا گیا ہے، حقیقت مین اسکو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہین،

(۴) بعض جگہ غیر متعلق بحثین چھڑ گئی ہین، مثلاً دہلی اور لکھنؤ کی زبان پر جو مضمون لکھا ہے اگرچہ نہایت عالمانہ اور منصفانہ ہے، تاہم اسکو سرسری طور سے لکھکر گذر جانا چاہیے تھا، اس قدر پھیل پڑنے کی ضرورت نہ تھی، اسی طرح مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کی عبارتون کے جو اقتباسات دیئے گئے ہین اور اُنکی کمزوریان جو ظاہر کیگئی ہین، اُن مین موقع اور محل کا لحاظ نہین کیا گیا ہے،

کتاب کی زبان نہایت صاف، سادہ، روان اور شگفتہ ہے، اور اگرچہ بعض جگہ بعض سوقیانہ محاورے بھی (مثلاً پچ کہین بلی نوبلی ہی ہی) آگئے ہین، تاہم کتاب کا اکثر حصہ ان عیوب سے پاک ہے، ہر فصل کا آغاز نہایت دلکش انداز سے کیا گیا ہے، جس سے پڑھنے والے کو یہ بار محسوس نہین ہوتا کہ وہ کوئی علمی کتاب پڑھ رہا ہے، بلکہ اسکو اس پر ایک دلچسپ فسانہ کا دہوکا ہوتا ہے، مثالین نظم و نثر دونون سے دیگئی ہین، اسلئے کتاب کی دلچسپی مین اور بھی اضافہ ہوگیا ہے۔

کتاب کی قیمت (۴) ہے، پروفیسر صاحب سے بازار عیسٰی میان حیدرآباد کے پتہ سے ملیگی۔

رُوح الاجتماع

مترجمہ مولانا محمد یونس صاحب فرنگی محلی

فلسفہ اجتماع پر لیبان کی بہترین تصنیف کا سلیس اور عمدہ ترجمہ، اس زمانہ مین خاص طور سے پڑھنے کی چیز ہے قیمت عہ

مطبوعاتِ جدیدہ

تفسیر نظام القرآن، جناب مولانا حمید الدین صاحب عربی زبان مین قرآن مجید کی جو تفسیر اس نام سے لکھ رہے ہین، افسوس ہے کہ اُنکی صحت کی خرابی کے باعث اتبک تمام نہین ہو سکی ہے، تاہم جو متفرق سورتین ان کے قلم سے تکمیل کو پہنچ جاتی ہین، وہ وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہین، چنانچہ اندنون سورۂ ذاریت، اور سورۂ ابی لہب کی تفسیرین چھپ کر شائع ہوئی ہین، قیمت بہ ترتیب ۶/ اور ۴/، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، دفتر دار المصنفین سے طلب کیجئے

لغات کبیر، یہ طبی الفاظ و اصطلاحات کا ایک لغت ہے، جسکو زبدۃ الحکما حکیم محمد کبیر الدین صاحب معلم تشریح مدرسہ طبیہ دہلی نے ترتیب دیا ہے، حکیم صاحب نے درحقیقت بڑی محنت اور جفاکشی کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا ہے، الف سے لیکر یا تک کے تمام عربی الفاظ و مصطلحات طبیہ کے معنی و مقصود کو اردو مین لکھا ہے، جہان جہان امراض یا طریقہ علاج یا طریقۂ دواسازی کے الفاظ آگئے ہین وہان کسیقدر تفصیل بھی کی ہے، کہین کہین اعضا اور آلات کے نقشے بھی دیئے ہین، اردو مین یہ ایک مفید خدمت ہے، اور حکیم صاحب کی کوشش لائق مدح و سزاوار تحسین ہے، ہر ورق پر حکیم صاحب نے لفظ "لغت" کو مونث استعمال کیا ہے، ہم تو حکیم صاحب کے اتنے بڑے کام کو مونث نہین تسلیم کر سکتے، لکھائی چھپائی عمدہ، کاغذ سفید متوسط، تقطیع میانہ، صفحات ۵۲۴، قیمت ۳/ پتہ: زبدۃ الحکما حکیم کبیر الدین صاحب مدرسہ طبیہ دہلی،

بیاض کبیر، حصہ سوم یہ بھی حکیم صاحب موصوف ہی کی تصنیف ہے، اسمین دہلی کے

دو اسازی کے طریقے بتائے، آلات کے نقشے دیے ہین، مختلف دواؤن کی تیاری مین جو تدبیرین اور احتیاطین لازم ہین انکو بتایا ہے، یہ کتاب یونانی عطارون اور ذاتی دو اسازون کے لیے بیحد مفید ہوگی، لکھائی چھپائی کاغذ متوسط، قیمت ۱۲ر

تاریخ ملل قدیمہ، اقوام قدیمہ یعنی مصری، بابلی، کلدانی، یہودی، فنیقی قومون کی مختصر تاریخ جو اصلاً فرانسیسی مین لکھی گئی تھی اور جسکو ذکا ء الملک ایرانی سابق وزیر تعلیمات ایران نے فارسی مین منتقل کیا تھا، سید محمود اعظم صاحب فہمی نے اب اُردو مین اسکا ترجمہ کیا ہے، اور انجمن ترقی اُردو نے اپنے سلسلہ مین اسکو شایع کیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، جا بجا عمارات و ریادگارون کی قلمی تصویرین اور ممالک کے نقشے ہین، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، تقطیع میانہ، ۲۷۴ صفحات، قیمت مجلد عہ ۸ر، دفتر ترقی اُردو، اورنگ آباد دکن۔

اسرارِ شریعت، ۵۷ صفحون کا ایک رسالہ ہے، جسمین مولوی حکیم عبد الہادی صاحب نے مذہب اسلام کے مختلف فرائض، وضو، نماز، اوقات نماز وغیرہ کے اسرار و حکم بتائے ہین، اور بعض جدید انکشافات و ایجادات کی مصلحتین ظاہر کی ہین، امید ہے کہ عام مسلمانون کو اسکے مطالعہ سے فائدہ ہوگا، لکھائی چھپائی کاغذ معمولی، قیمت ۸ر مصنف سے مٹیا محل دہلی کے پتہ سے طلب کیجئے،

انتخاب گلابی اُردو اب عام لوگون مین اور خصوصاً جدید النشوء عربی تعلیم یافتون مین یہ مذاق پیدا ہو رہا ہے کہ عجیب و غریب کنیتون اور نامانوس اسماء و انساب کے ذریعہ سے لوگون مین اپنا ایک فرضی جوہر قائم کرین، یہ رسالہ جناب ابو القدس حافظ صدیق رشاد توحیدی عرف ملا رموزی صاحب فاضل آلہیات نے ظریفانہ رنگ اور قدیم مولویانہ زبان مین لکھا ہے، اور ان مین مختلف سیاسی و اصلاحی مسائل پر بحثین کی ہین، ممکن ہے کہ مصنف کا نام بھی کتاب کے ظریفانہ رنگ اور قدیم مولویانہ طریق تسمیہ کی تقلید ہو، تاکہ تصنیف و مصنف مین حسب اصول بلاغت مقتضاے حال کی مطابقت ہو قیمت ۸ر

مجلہ ہشتم | ماہ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ مطابق نومبر ۱۹۲۱ء | عدد پنجم

مضامین